چار پیامبر

مؤلفہ سلطان احمد خان
عالم فاضل السنۂ شرقیہ

پبلشرز احسن برادرز بک سیلر سرگودھا

(انصاف پریس ریلوے روڈ لاہور میں چھپا)

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عرب ایک ملک کا نام ہے جس کا محل وقوع بحیرۂ قلزم کے مشرق خلیج فارس سے مغرب اور بحر ہند سے شمال کی جانب ہے۔ طول تقریباً ڈیڑھ ہزار میل اور عرض پانچ چھ سو میل تقریباً ۹ لاکھ مربع میل رقبہ ہوگا۔

اکثر علاقہ ریگستانی ایک طرف دور تک لمبے پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ زیادہ علاقہ غیر آباد اور کچھ شاداب ہے۔ اس میں مکہ ایک مشہور شہر جو قرون اولیٰ میں بکہ کے نام سے مشہور تھا۔ جسے غیر ذی زرع وادی میں ابراہیم علیہ السلام خدا کے پیغمبر نے سب سے پہلے بسایا اور وہیں عبادت کے لئے ابراہیم باپ اور ان کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام نے خدا کا گھر بنایا۔ وہ بیت اللہ کہلایا۔ امت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ مرجع و مآب اور ادائے صلواۃ کے لئے وہ قبلہ اور کعبہ ہے سرمایہ دار مسلمان "مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا" کے لئے وہاں

کی حاضری عمر بھر میں ایک دفعہ ایسے ہی فرض ہے جیسے نماز اور روزہ فرض ہے۔ اور اس فرض کی ادائیگی کا نام حج ہے۔ یہی شہر مبارک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا مولد اور مسکن اولیٰ ہے۔

وجہ تسمیہ غالباً عرب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عرب کے معنی لغت میں فصاحت اور خوش بیانی کے ہیں۔ وہاں کے لوگ زبان آوری میں اپنے جیسا کسی کو نہ سمجھتے تھے بلکہ باقیوں کو عجمی یعنی گونگے کہتے تھے۔ اس لئے وہ لوگ عرب کہلائے اور ملک کا نام بھی عرب ہوا۔

سلسلۂ نسب محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب بن عبدالمناف اس لحاظ سے آپ نجیب الطرفین ہیں۔

ولادت ۱۲ ربیع الاوّل بقول بعض ماہرین علم فلکیات و سیارات ۹ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ ۲۰ اپریل ۵۷۱ سنہ عیسوی عالم قدس سے عالم امکان میں ظہور ہوا۔

اللھم صل علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم

یہ وہ زمانہ تھا کہ عجمی بادشاہوں میں سب سے مشہور

اور عادل بادشاہ نوشیرواں فارس پر حکمران تھا۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے "ولدت فی زمن الملک العادل" عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا۔

یتیمی آپ کے پیدا ہونیسے پہلے باپ دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ یتیم پیدا ہوئے۔ گھر میں بڑا گھرانہ ہونیکے باوجود چار پانچ اونٹ اور چند شتر بچہ کے سوا جائداد نہ تھی۔ عرب کا رواج تھا۔ امیر گھرانوں کے بچے دودھ پلانے والی دائیاں دیہات سے آکر لے جاتیں۔ وہاں تازہ آب و ہوا میں تربیت اچھی ہوتی۔ صحت خاصی رہتی۔ عمر رضاعت کے بعد کافی انعام و اکرام لے کر واپس دے جاتی تھیں۔ اس گھر کی بے بساطی اور ناداری کو دیکھتے ہوئے کوئی دائی بھی دودھ پلانے کو تیار نہ تھی کیونکہ پورا انعام پانے کی توقع نہ تھی۔ سچ ہے "خدا کی رحمت جب کرم پہ آتی ہے چھپت پھاڑ کر دیتی ہے" یہ نعمت **حلیمہ** بنت ابی ذویب سعدیہ کا حصّہ خاص تھی۔ اُس نے اس مولود مسعود کو سینے سے لگایا۔ سوکھے پستانوں میں دودھ بھر آیا۔ گھر میں لے گئیں۔ روز بروز گھر کی رونق اور ہوتی گئی بلکہ بنی سعد کے سارا علاقہ پہ اللہ کی رحمت عام ہوئی۔

وہ علاقہ نہایت قحط زدہ ویران و برباد تھا۔ محمدؐ کے وجود مسعود کی برکت سے اسقدر آبادانی۔ سرسبزی اور ارزانی ہوئی۔ کہ خداوند کریم کی قدرت کے نشانات پر بے تامل سرخم ہونا۔ "دیوار نبوت کی یہ پہلی بنیاد تھی"

جب اللہ کریم کی نظر انتخاب اس مولود مسعود کے لئے رسالت پر تھی۔ چاہا کہ یہ کریم ہو۔ قوم میں اعلےٰ مروت ہو۔ احسن خلق ہو۔ حسب نسب میں شریف ترین ہو۔ حلیم ہو۔ بات کا سچا ہو۔ حقوق ہمسائگی کا نگاہدار ہو۔ امین ہو۔ فواحش و مناکر سے گریزاں و نفور ہو۔ اپنی زیر نگرانی اقذار جاہلیت و افعال ناتربیت سے اس طرح مصئون و محفوظ رکھا کہ جوانی میں ہی ان کے مکارم اخلاق۔ تہذیب حسنہ۔ صدق مقال اور دیانتداری سے لوگ ایسے مانوس و مالوف ہوئے کہ آپ کو امین کے نام سے پکارتے تھے۔

کیوں نہ امین کہتے۔ ہر طرف نظر پھیر چکے تھے۔ ایک ایک کو دیکھا ہوا اور آزمایا ہوا تھا۔ آپ سا صابر۔ حلیم۔ ارادہ کا پکا زاہد۔ جواد۔ وفا شعار۔ بات کا سچا۔ وعدہ کا پختہ۔ قوم میں کریم اور رحم دل۔ اور متواضع کہیں نہ پاتے تھے۔ جب خاموش ہوتے

ان سا کوئی خاموش نہ تھا۔ جب کلام کرتے آپ سے بہتر بول کوئی نہ سکتا تھا۔ عجیب طبیعت تھی مزاج میں تلون نہ تھا۔ عفو عام تھا۔ یہ عادات تھیں جس سے قوم امین کے نام سے پکارتی۔

تربیت آپ کی والدہ ماجدہ بھی فوت ہوگئیں۔ دادے عبدالمطلب نے پرورش میں لے لیا۔ کعبہ کے سایہ میں انہیں ان کے چچوں کیساتھ لیکر بیٹھتے۔ مگر زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ داداجان بھی داغ مفارقت دے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ عم بزرگوار ابوطالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ بہت ہی کریم تھے مگر مفلس تھے۔ اپنے کنبہ کی پرورش بھی خاندان کی حیثیت اور شرافت کے مطابق پورے طور پر نہیں کر سکتے تھے۔ آپ بھی اسی گھر کے بچوں کی مانند پرورش پانے لگے۔ داغ یتیمی یعنے والدین کا سایہ سر سے اٹھ جانا زاید بر آں مفلسی تھا۔

ایسی حالت میں قوم میں تربیت پائی کہ کوئی مؤدب اور مربی ظاہراً ایسا نہیں نظر آتا جو تہذیب شائستہ تادیب صراطِ مستقیم پر گامزن ہونیکی کچھ بھی راہنمائی کر سکے۔ صرف فطری طہارت عقیدہ اور نفس شریف کا شعور فضائل و محامد تھا۔ کہ اہل وثنیت۔ بت پرستوں۔ بت گردں۔ فواحش کے بانیوں فسق و فجور

کے موجدوں میں تمدن و تعیش کے باوجود آداب الٰہی سے مزین رہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ایک مفلس و نادار یتیم بچہ محتاط و خبردار سرپرست کی نگرانی کے باوجود بھی اس قسم کے بدترین ماحول سے متاثر ہوکر اپنی فطرت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ آپ نے سچ فرمایا۔ "ادبنی ربی فاحسن تادیبی" میرے رب نے میری اچھی تربیت کی۔ آپ کے عم بزرگوار مال تجارت لیکر قافلہ کے ہمراہ شام کو گئے۔ آپ ہمراہ تھے۔ قافلہ بصریٰ میں اترا۔ وہاں کے پیر پادری نصاریٰ قوم کے امام علامہ فہامہ بحیرا نامی راہب نے قافلہ کی ضیافت کی۔ ایک بالاخانہ میں عبادت میں مصروف و معتکف رہتا تھا۔ خلاف معمول اب کے مہمانوں کے لئے معبد سے باہر آیا۔ کھانا کھلایا۔ نظر کا مرجع محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک رہا۔ بار بار دیکھتا۔ غور سے دیکھا۔ خواب و بیداری کے مختلف حالات پوچھتا رہا۔ گویا کسی متوقع گوہر کی تلاش میں ہے۔ مکمل غور و خوض اور پوری تفتیش کے بعد ابو طالب سے کہا جسقدر جلدی ممکن ہوسکے۔ اسے واپس مکہ میں لے جاؤ۔ یہود سے محتاط رہو۔ اس جوہر بے بہا کے دشمن بہت ہیں۔ مبادا ان کو تکلیف پہنچے۔

اس سفر سے واپسی کے بعد لوگوں میں آپ کے حسن اخلاق صدق حدیث۔ امانت اور دیانت کا عام چرچا ہوا۔ خدیجہ بنت خویلد مکہ کی مشہور مالدار تاجرہ تھیں۔ آپ سے خواہش ظاہر کی۔ بلکہ درخواست کی کہ میرا مال لیکر قافلہ کے ساتھ شام کو جائیں۔ ضروریات نفقہ نے بھی تحریک کی۔ منظور کرلیا۔ خدیجہ کا غلام میسرہ ہمراہ گیا۔ سفر سے کامیاب طور پر واپس آئے۔ غلام میسرہ نے اپنی سیدۃ خدیجہ کو ذرا ذرا واقعات سنائے۔ جہاں آپ چلتے تھے بادل کا سایہ سر پر۔ امانت۔ دیانت۔ یمن قدم۔ نفع کثیر۔ سہولت سفر۔ اُن سے اُن کی ہمراہی میں جسقدر راحت و آرام پایا۔ ذرا ذرا کہہ سنایا۔ خدیجہ بڑی زکیہ۔ فہیمہ اور دانا عورت تھی۔ یہ امور جاذب توجہ ہوئے۔ بیوہ تھی۔ آپ کے قبیلہ سے تھی۔ نکاح کی درخواست کی۔ خدیجہ عمر کے چالیسویں سال میں گذر رہی تھی۔ آپ کی عمر پچیس سال۔ ابوطالب کے مشورہ سے درخواست کو قبول فرمالیا۔ چچا نے خطبۂ نکاح پڑھا " ووجدک عائلاً فاغنیٰ " اللہ کا احسان ہے کہ مفلسی کو غنا میں تبدیل کر دیا۔ سوائے ابراہیم کے جو ماریہ کے بطن سے تھے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد اسی

خدیجہ سے ہوئی۔

آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا۔ تو اس مفت کی بے شمار دنیا سے مغرور ہو جاتا۔ ان خزائن وافرہ اموال غیر متبرقبہ کو پاتے ہی عیاشی میں پڑ جاتا۔ غرہ ہوتا۔ خواہشات دنیا اور بڑھتیں۔ مگر یہاں یہ حالت تھی کہ اب نان ونفقہ کا فکر دور ہوا۔ جستجوئے حق قریب ہوئی۔ جتنا پھل زیادہ ہوا شاخ اور جھکی۔ عمر بڑھتی گئی۔ خلوت اور تنہائی کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ دل نور الٰہی سے منور و متجلی ہوا۔ حقائق عالم نظر باطن کے سامنے آ گئے کشف کے دروازے کھل گئے۔ علم نے بے خبری کو شہاب ثاقب بن کر مار بھگایا۔ اپنے بیگانے۔ اقرب والعبد۔ چھوٹے بڑے میں وہ عزت پائی کہ لوگ اپنے تنازعات واختلافات میں ان کی بات کو قول فیصل مانتے۔ انہی دنوں تعمیر کعبہ میں حجر اسود کے نصب کرنے کا جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر قبیلہ اپنی شرافت وسبقت کے استحقاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس امر کا مدعی ہوا۔ کہ حجر اسود نصب کرنا ہمارا حق ہے۔ جنگ عظیم کا وقوع لازم تھا۔ اگر آپ کی حکمت عملی اختلاف کا سد باب نہ کر دیتی۔ ان میں سے کسی نے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم جیسے صائب الرائے انصاف پسند حکم ہوتے ہوئے لڑائی

جھگڑا بے سود۔ وہ ہم سب کے ثالث جو فیصلہ کر دیں منظور. سب نے امین کی. قبائل نے مقدمہ پیش کیا. آپ نے ایک چادر بچھادی حجر اسود اٹھا کر اسمیں رکھ دیا. چار بڑے قبیلوں کو جو سیادت و بیشی کے دعویدار تھے۔ فرمایا چادر کا ایک ایک پلہ پکڑ لو۔ اور اوپر کو اٹھاؤ چاروں قبیلوں کے چار سرداروں نے اس طرح حجر اسود اوپر اٹھایا۔ آپ نے حجر اسود جہاں لگانا تھا. لٹکا دیا۔ القاء الٰہی سے یہ تجویز ایسی کارگر ہوئی. سب خوش ہو گئے اور جھگڑا مٹ گیا۔

چھ ماہ کم عمر کا چالیسواں سال گذار رہے تھے. کہ رویائے صالحہ وصادقہ متواتر دیکھنے لگے۔ جو کچھ خواب میں پاتے. صبح روشن کی مانند ظہور میں آتا۔ تنہائی اور خلوت اور زیادہ ہوئی۔ راتوں غار حرا میں عبادت کرتے رہتے. کئی دن کے بعد گھر آکر کچھ خورد و نوش کا سامان لے جاتے پھر وہیں عبادت میں بیٹھ رہتے۔

یہاں تک کہ وہ رات آپہنچی. جب اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو خلعت رسالت سے نوازا۔ جبرائیل فرشتہ خدا کا پیغام لایا۔ کہا " اقرأ باسم ربك الذی خلق" جس خدا نے پیدا کیا ہے اُس کا نام لے اور پڑھ۔

آپ پر خوف طاری ہو گیا۔ گھر تشریف لائے. خدیجہؓ رفیقۂ حیات

سو سارا واقعہ سنایا۔ بولیں۔ آپ میں صلہ رحمی۔ غریب پروری۔ مہمان نوازی۔ مصیبت زدوں کی امداد ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ کہ ان کے ہوتے ہوئے خدا آپ کو تکلیف میں نہ ڈالے گا۔ آپ کو ہمراہ لے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ جو اس وقت عالم حق۔ زاہد اور پارسا تھا۔ اس نے حقیقت پوچھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل بیان فرمائی۔ ورقہ نے سن کر کہا یہ وہ فرشتہ ہے۔ جو اس سے پہلے انبیاء کی طرف خدا کا پیغام لاتا رہا موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہی فرشتہ آیا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب قوم آپ کو یہاں سے نکال دے گی۔ آپ پوچھنے لگے "او مخرجی ھم" کیا یہ مجھے یہاں سے نکال دینگے۔ ورقہ نے کہا ضرور نکال دیں گے آپ سے پہلے جو آدمی بھی خدا کا پیغام لے کر آیا اس کے ساتھ قوم نے یہی سلوک کیا۔ اگر اس وقت تک میں زندہ رہا تو آپ کی پوری امداد کروں گا۔ چند یوم وحی کا سلسلہ منقطع ہوا۔ پھر جبرائیل آیا اور حکم لایا۔ "یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝" اب تبلیغ شروع ہوئی۔ اسلام کی طرف لوگوں کو بلایا گیا۔ عورتوں میں خدیجہؓ سب سے پہلے ایمان لائیں۔ مردوں میں ابوبکرؓ۔ لڑکوں میں علیؓ۔ غلاموں میں زیدؓ وحی کا سلسلہ متواتر شروع ہوا۔ لوگ جوق در جوق

اسلام میں داخل ہونے لگے۔ صدیقؓ نہایت باسوخ ثقہ اور قابل اعتماد آدمی تھے۔ قریش میں اُن کو اچھا مرتبہ حاصل تھا۔ ان کو دیکھکر بہتوں نے اسلام قبول کیا۔ غاروں میں جاکر عبادت کرتے۔ ظہور نبوت سے تین سال بعد تک یہ سلسلہ پوشیدہ رہا۔

اب حکم ہُوا۔ "فاصدع بما تؤمر" کفار کو نعرۂ توحید سے پارہ پارہ کردے۔ ظاہر و آشکار تبلیغ احکام الٰہی کر۔ اخفا اور پوشیدگی چھوڑ دے۔

مسلمان مفلس تھے۔ گنتی کے تھے۔ تاہم محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار کو حجج قاطعہ دلائل وبراہین ساطعہ سے زجر و تنبیہ اور پند ونصائح سے کھٹکھٹانا شروع کیا۔ بتوں کا عجز بیان فرماتے۔ ان کی پرستش کے مضار و مفاسد کو واضح کرتے۔ قوم نے دعوت حق کو ٹھکرانا شروع کیا۔ رسالت سے انکار کردیا۔ عام وخاص سرکشی و بغاوت پر تل گئے کہتے۔ "لولا انزل ھذا القرآن علٰے رجل من القریتین عظیم" یہ قرآن فی الحقیقت اگر خدا کیطرف سے ہے تو مکہ یا طائف جو دو بڑے شہر ہیں ان کے کسی صاحب عزت وجاہ اور مال دولت آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا۔ "اھم یقسمون رحمت ربک" اللہ نے ان کو جواب دے دیا کہ تیرے رب

کی رحمت ان کے ہاتھ سے تقسیم نہیں ہوتی۔ یہ اللہ کی مرضی اور ارادے پر ہے۔ کیوں نہ انکار کرتے۔ اپنی قوت اور مال و دولت کا گھمنڈ تھا۔ سرمایہ کا نشہ تھا۔ اپنے قبیلے کے ایک بے یار و مددگار مفلس آدمی کا اتنا بلند دعوے ماننا عار سمجھتے تھے۔ جبکہ دعوے کا مضمون بھی ان کے آلہۃ کی برائی سے بھرا ہوا تھا۔ ان کی عقلوں کو ٹھکراتا تھا ان کے اباؤ اجداد کی ذلت اور ضلالت بیان کی جاتی تھی۔

آپ کی مخالفت پر قریش کے رؤسا کافتہ" متفق ہو گئے لیکن چچا ابو طالب نے آپ کی حمایت نہیں چھوڑی۔ کفار حملہ کرتے۔ ابو طالب روکتے۔ محمدؐ متواتر پیغام الہٰی سناتے رہتے۔

ایک دن اشراف قریش مشاورت کے لئے جمع ہوئے۔ کچھ آدمی انتخاب کئے۔ جو ابو طالب کے پاس گئے۔ تیرا بھتیجا ہمارے معبودوں کی برائی بیان کرتا ہے۔ دین کی توہین و مذمت کرتا ہے سفیہ و بے عقل بناتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو راہ گم کردہ بتاتا ہے۔ اسے روکو۔ یا اس سے ہاتھ اٹھالو۔ ہم خود روک لینگے۔ تو اور ہم ایک ہیں۔ دین ایک ہے۔ ابو طالب نے خوشکلامی سے ٹال دیا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے منصب تبلیغ کو برابر پورا کرتے رہے۔ چند روز بعد پھر مجلس مشاورت قائم کی۔ ابو طالب کے پاس

دوبارہ گئے۔ پہلے سے زیادہ تنگ ترش ہو کر اپنا مطالبہ پیش کیا۔ ابوطالب حیران تھے۔ بھتیجے کی جدائی اور مفارقت گوارا نہیں قوم کے مقابلہ و مقاومت کی طاقت نہیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ لطف و کرم سے سمجھایا۔ کہا وہ طریق کار استعمال کرنہ آپکو تکلیف ہو نہ مجھے۔ جس بوجھ کے اٹھانیکی مجھ میں طاقت نہیں مجھ پر نہ ڈال۔

مگر یہ کہاں ہو سکتا تھا۔ آپ کو تو تائید الٰہی حاصل تھی۔ " واللہ یعصمک " دل کی گہرائیوں میں جاگزین تھا۔ کہا " یا عماہ " چچا جان میں یہ کام چھوڑ نہیں سکتا۔ اللہ اپنے دین کو غالب کرے۔ یا میں ہلاک ہو جاؤں۔ ابی طالب بھی لمعات نبوی کے اثر سے نرا خالی نہ تھا۔ بھتیجا کی آزردگی بھی برداشت سے باہر تھی، کہا۔ اچھا جو جی چاہے کہو اور کرو۔ اللہ کی قسم میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ دشمن کے قبضہ میں نہیں دونگا۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب نے ابی طالب کے ساتھ حمایت محمد صلے اللہ کا معاہدہ کر لیا۔ باقی تمام قریش ایک طرف ہو گئے مسلمانوں پر طرح طرح کے عذاب توڑنے شروع کئے۔ آپ نے ان کو حبشہ کیطرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ یکے بعد دیگرے ہجرت شروع ہوئی کل تعداد

تراسی ۸۳ تک پہنچی۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں اور گھر میں مسافر ہیں۔ ان کے اور قوم کے درمیان تفرقہ عظیم ہے۔ آپ ان کے ٹیڑھا پن کو سیدھا کرنے میں کوشاں ودواں ہیں۔ رشد وہدایت کی طرف بلانے میں جد وجہد کناں ہیں۔ لیکن وہ کفار آپ کی زبانِ دعوتِ حق کے سمجھنے سے قاصر۔ منصب رسالت سے بے خبر۔ عناد۔ ضد۔ خود بینی خود ستائی غالب۔ نووارد لوگوں میں آپ کی عقل کی مذمت کرتے۔ سحر۔ جنون۔ کہانت۔ شعر گوئی وغیرہ ذمائم ان کی طرف منسوب کرتے۔ تمسخر کناں لوگوں کو دینِ حق میں داخل ہونے سے روکتے میلوں اکھاڑوں کے موقعوں پر دور سے آنے والے لوگوں کے راستہ میں بیٹھ جاتے۔ ان کو خوب سمجھاتے۔ بجھاتے کہ ایک مجنون اس قسم کا دین پیش کرتا ہے۔ اس سے بچ کر رہنا۔ ایک دفعہ جو اس کے دام میں آگیا نکل نہیں سکتا۔ غرضیکہ جس دین کا کتمان وعدم ظہور چاہتے تھے۔ اس کے اعلام واعلان کا خود موجب بنتے۔ "واللہ مخرج ما کنتم تکتمون" اللہ نے سچ فرمایا جو تم چھپانا چاہتے ہو۔ اللہ ظاہر کر کے رہے گا۔

اب معاملہ اور بڑھ گیا۔ قریش کی غیرت جہل اور سفاہت تیز تر

ہوئی۔ ایک جماعت نے علانیہ ایذارسانی کا معاہدہ کیا۔ لات اور عزیٰ کے سامنے قتل کی حلف اٹھائی۔ کیونکہ اُن کو اِن کی تبلیغ میں طاقت عظیم نظر آتی تھی۔ سختی کے بدلے رأفت پاتے تھے۔ رؤف تھے۔ جبر و تشدد کو کرم و عفو سے روکتے تھے۔ رحیم تھے۔ معاملات میں عدل و انصاف پاتے تھے۔ اسی ایک چیز میں کفار اپنی ناکامی اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا راز مضمر پاتے تھے۔ اس لئے دشمنی کی رفتار تیز کرنے کے لئے مجبور ہوئے۔ ان کی حیرت کی اُس وقت کوئی حد نہ رہتی جب محمدؐ کی بے سروسامانی اور ضعف میں وہ قوت پاتے جو کسی شہنشاہ کو لشکروں میں حاصل نہ ہو۔ عجز میں دبدبہ۔ اُمیت میں علمیت اور جہاں جہاں آگاہی۔ منبت جہل و ضلالت میں رہ کر یہ رُشد و ہدایت اور فردیت میں وہ عزم و استقلال کہ جس کی نظیر ڈھونڈے نہیں ملتی۔

قریش بے چین تھے سوچتے کہاں تک صبر کریں۔ ہماری عقلوں کو جھٹلاتا ہے۔ آبا ؤ اجداد کو بے راہ بتاتا ہے۔ دین کی خفت کرتا ہے۔ عابد و معبود۔ ساجد و مسجود۔ حامد و محمود سب کی مذمت بیان کرتا ہے۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ حجر اسود کے قریب مجلس مشاورت قائم کی۔ تمام رؤسا جمع ہوئے۔ بیٹھے

سوچ رہے تھے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سامنے سے آ گئے۔ حجر اسود پر بوسہ دیا۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگے۔ کسی کی زبان سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا۔ بحالت طواف جب پاس سے گذرے۔ تو رمز و غمز سے کچھ ہفوات و خرافات کا آوازہ کانوں کے قریب سے گذرا۔ آپ کھڑے ہو گئے۔ ذرا جھجک نہیں۔ پکارے "اما والذی نفسی بیدہ لقد جئتکم بالذبح" مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں تمہیں ذبح کرنے کے لئے آیا ہوں۔

ان الفاظ نے یہ اثر کیا گویا موت کا پرندہ سر پر منڈلا رہا ہے مبہوت ہو گئے۔ ساری تجاویز بھول گئے۔ صرف کسی نے اتنا کہا۔ اے ابا القاسم جا اپنا راستہ لے ہمیں ہمارے حال پر رہنے دے دل میں پشیمان ہوتے اپنے آپ کو ملامت کرتے کہتے ہیں ہو کیا گیا۔ سوچ کیا رہے تھے۔ ہوا کیا۔

اتفاق سے طواف کرتے ہوئے آپ پھر سامنے سے گذرے یکبارگی اکٹھا سب نے حملہ کر دیا۔ گھیر لیا۔ کہا تو وہی ہے جو ہمیں ایسا ایسا کہتا ہے۔ ہمارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے۔ فرمایا ہاں وہی ہوں۔ ایک بدبخت نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر

ایسا زور سے کھینچا کہ خراش سی آگئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اچانک ابوبکر صدیق پہنچ گئے۔ سب کو زجر و تنبیہ کی، فرمانے لگے۔ شرم نہیں آتی۔ "اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ"

اس اللہ کے بندے کو اس جرم میں مارتے ہو۔ کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ ابوجہل بھی موجود تھا سب دشنام پہ اتر آیا۔ حمزہ بھی پہنچ گئے۔ ان کے سر پر کوئی چیز ماری زخم سا ہو گیا۔

اب قریش نے سوچا۔ لڑائی بے سود ہے۔ دلائل سے جھٹلایا جائے۔ براہین سے غلبہ پایا جائے۔ عتبہ بن ربیعہ قوم میں بلند پایہ بھی تھا۔ اچھا بولنے والا بھی تھا۔ اسے قوم نے آپ کے پاس بھیجا۔

عتبہ۔ اے محمد تو نے قوم میں عجیب تفرقہ ڈال دیا ہے۔ سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ بیوقوف اور سفیہ کہتا ہے۔ دین کی توہین کرتا ہے۔ معبودوں کی مذمت کرتا ہے۔ آباؤ اجداد کو ضال و گمراہ بتاتا ہے۔ چند امور پیش کرتا ہوں۔ غور کرو۔ پسند آ دیں تو منظور کرو۔ شائد آپسیں صلاحیت ہو جاوے۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم ۔ عتبہ کہو کیا کہتا ہے۔ عتبہ نے کہا بتا تیرے اس دعوے دین نو اور طریق کار کی غرض و غایت کیا ہے مال و دولت چاہتا ہے تو جتنا منہ مانگے ہم دیں۔ سیادت و قیادت

کی تمنا ہے۔ تو ہم تجھے اپنا بادشاہ اور سردار ماننے کے لئے تیار ہیں اور
اگر تیرے یہ اضغاث احلام و وحی و الہام کسی بیماری یا دماغی فتور
کے باعث ہیں تو طبی امداد ہم بہم پہنچائیں۔ علاج معالجہ پر جو کچھ
بھی خرچ آئے ہم کریں۔

محمدؐ۔ یا ابا الولید بس کہہ لیا۔ عتبہ بولا ہاں۔ آپ نے سورۃ
سجدہ کی آیات بینات تلاوت فرمائیں۔ آیت سجدہ پر
سجدہ میں گر گئے۔ عتبہ اپنا سا منہ لیکر اٹھ کھڑا ہوا۔ قوم کے پاس
آیا۔ وہ تاڑ گئے۔ یہ وہ عتبہ نہیں جو گیا تھا۔ جانے والے رخ
اور آنے والے چہرہ میں نمایاں فرق ہے۔ پوچھا "ماورائک یا
عتبہ" کیا خبر لایا۔ عتبہ نے کہا۔ کیا کہوں میں نے وہ کلام سنی
جو نہ شعر ہے نہ سحر نہ کاہن کا قول ہے نہ انسان کا۔ میرا کہا مانو میرے
ساتھ اتفاق کرو۔ اس کو اپنے حال پر رہنے دو۔ سب نے کہا
تجھ پر اس کا جادو چل گیا۔ عتبہ بولا چلو سب قریش کعبہ میں اکٹھے
ہوں۔ محمدؐ کو بلا لیتے ہیں وہ آ جائے گا۔ اس سے بات کر لیں۔ آپ
تشریف لائے سب بیٹھے تھے۔ آپ بھی بیٹھ گئے۔ وہی سوال
جو اس نے پہلے اکیلے میں پیش کیا تھا دہرایا گیا۔ فرمایا۔ اے
میری قوم کے سردارو تمہارے سامنے [illegible]

بُعد المشرقین ہے۔ نہ میں مال و دولت چاہتا ہوں۔ نہ عزت۔ نہ سلطنت نہ حکومت۔ مجھے تو اللہ نے تمہاری طرف اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ کتاب دی ہے۔ تمہارے لئے بشیر و نذیر مقرر فرمایا ہے۔ میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا نصیحت کر دی۔ مان جاؤ تو اس نیک عمل کی جزا دنیا و آخرت میں پاؤ گے۔ نہ مانو تو مجھے اللہ کے حکم کی انتظار ہے۔ ہمارے درمیان وہی اچھا فیصلہ کرے گا۔ یہ قول فیصل سنا کر انہیں لاجواب کر دیا۔ سکوت کی لگام ان کے منہ میں ڈال کر انہیں مبہوت کر دیا۔ جواب سے عاجز ہو گئے۔

اب قوم نے اور طریق اختیار کیا جو کہ کج طینت اور شر پسند عقول کا وطیرہ ہوتا ہے۔ ان اشیا کا مطالبہ شروع کیا جو ظاہر طور پر حکمت الٰہی کے اقتضا کے خلاف ہوتی ہیں۔ ان کا وقوع محال ہوتا ہے۔ کہا اگر تو رسول ہے تو وہ پہاڑ یہاں سے وہاں چلا جائے۔ یہیں پانی کی نہریں چل پڑیں۔ تاکہ سرسبزی اور آبادانی بڑھ جائے۔ آسمان سے فرشتے آکر تیری رسالت کی تصدیق کریں۔ آسمان سے کہو ایک ٹکڑا گرا کر ہمیں پیس دے۔ اپنے خدا سے کہو۔ تیرے لئے باغ ہوں۔ عالیشان محل ہوں۔ تیرے سونے چاندی سے بھرے ہوئے خزانے ہوں تاکہ اس کے بعد تجھے کسی چیز کی ضرورت نہ رہے۔ ان کے اس عناد

و انکار سے جب دیکھا کہ ہدایت ان میں اثر نہیں کرتی متاسفاً ان سے

لوٹے۔

ان کے اس ہذیان اور یادہ گوئی و خرافات سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے
کہ اسلام سے مانع ان کی جہالت نہ تھی۔ حق سے پوشیدگی نہیں رہی
تھی۔ صرف اتباعِ ہوا و حمیتِ غوا کچھ نہ کرنے دیتی تھی ورنہ ان میں
بہت سے انسان عقل صحیح و مزاج معتدل کے مالک تھے۔ آپ
سے خلاف عادتِ الٰہی امور کا ظہور و وقوع مشاہدہ کر چکے تھے
اور کرتے رہتے تھے۔

کچھ عرصہ اسی میں گذرا لوگوں نے بھی ہر قسم کے جائز ناجائز
قریب و بعید وسائل سے انواع و اقسام کے حیل و مکائد سے آپ
کے ساتھ معارضہ کی کوشش کی۔ اخبارِ الٰہی کو جھٹلایا۔ آپ نے
بھی پند و نصائح اور دعوت الی الحق میں پوری جد و جہد کی اثر نہ ہوا۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اب ایک اور طریق پر ان کے منہ پر
طمانچہ مارا کہ ناک پھیر دی۔ یہ اپنی فصاحت و بلاغت کے گھمنڈ میں
لوگوں سے ناک چڑھاتے تھے۔ اپنی عقول کے نتائج و ثمرات پر اتراتے
تھے۔ ذکاوت و فطانت پر فخر کرتے تھے۔ ان میں بڑے بڑے شاعر
تھے۔ فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ خوش بیان مقرر تھے۔ جو اپنی

خوش بیانی کو عزت و فخر کا کارنامہ سمجھتے تھے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے سب کو اکٹھا کیا۔ دور و نزدیک سے بڑے بڑے صاحب کلام جمع ہوئے۔ توحید کا پیغام سنا کر رسالت کی تصدیق میں قرآن شریف کی آیات پیش کیں۔ غیرت دلائی۔ تحدی پر ابھارا۔ مبارزت کے لئے پکارا۔ کہا صبح شام تمہاری میرے ساتھ لڑائی رہتی ہے۔ اگر میرا کلام خدا کا پیغام نہیں تو ایک چھوٹی سی سورت یا سورۃ کا کچھ حصہ چند آیات ہی سہی۔ ایسی پیش تو کر دو۔ جو میں سناتا ہوں۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا۔ کیسے ممکن تھا۔ "قل لئن اجتمعت الانس والجن ان یاتو بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً" کا اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہو چکا تھا۔ ان کو اس میدان میں آنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اللہ نے کہہ دیا تھا کہ تمام جن اور انسان صلاح و مشورہ کر کے بھی ایک دوسرے کی امداد سے ایسی کلام پیش کرنا چاہیں تو ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ اور ان سے ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا۔ جسیں ذرا بھر بھی عقل ہو وہ جان جاتا ہے۔ کہ اگر یہ کلام اللہ کے سوا کسی اور کا ہوتا۔ تو روئے زمین قابل اور لائق انسانوں سے خالی نہیں۔ کوئی تو کہیں سے اس مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جاتا؟ لیکن مخالفت و عداوت تاہم کے

ہوتے ہوئے بھی کوئی جرأت نہ کر سکا کہ کہے میں ایسی کلام پیش کر سکتا ہوں۔ جو ایک امی نے جو انہی میں رہنے والا ہے پیش کی ہے۔

~ امی آمد بزبان فصیح ؛ گویا از الف آدم تا میم مسیح

"تاریخ شاہد ہے کہ اس اعلان عام کا جواب نہ آج تک کسی نے پیش کیا نہ کوئی پیش کر سکے گا۔

اس سے بڑھ کر دعوئے نبوت کی اور کیا دلیل ہو سکتی تھی سچائی کا اس سے زیادہ کیا نشان اور برہان کی کیا ضرورت تھی۔ کہ ایک ایسا شخص جو ماں کے پیٹ سے یتیم آیا۔ مفلس ہے یار و مددگار ہے۔ انہی میں پیدا ہوا۔ وہیں پلا پوسا۔ ان کے احول سے متصل متاثر، بچپن ہی سے متنعم پرستا کی آب و ہوا میں پرورش پائی۔ تاہم عمر رشد سے پہلے بھی ان بتوں سے بیزار قوم کے افعال ناشائستہ و حرکات ناشستہ سے متنفر۔ کسی ظاہری مکتب میں تدریس نہیں پائی۔ جہاں سے راہ رشد کی راہنمائی حاصل کی ہو۔ معلم و استاد نہیں دیکھا جس نے ہدایت دکھائی ہو۔ ملک و سلطنت کا خواہاں نہیں۔ مال و دولت کی تمنا نہیں۔ یہ سب چیزیں پیش کی جا چکی ہیں۔ سر و سامان سے آراستہ نہیں۔ عساکر و سلاح نہیں۔ معین و صلاح کار نہیں۔ اکیلا کھڑا ہوتا ہے۔ ایک خدا کی پرستش کے لئے بلاتا ہے۔ باطل معبودوں

اور پرستش غیر اللہ سے نفرت دلاتا ہے۔ یہ بھی جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بتوں کی عزت و توقیر کس درجہ ان لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہے اور زندیقانہ روش ان کو کتنی مرغوب و محبوب ہے۔ اپنے معبودوں پر انہیں فخر و ناز ہے۔ پھر ان کی دشمنی کا خوف نہیں۔

تھوڑی عقل والا انسان بھی جان جاتا اور یقین کرتا ہے کہ وہ ایک خاص طاقت ہے جو آپ کے نفس شریف کو فلک الافلاک کی بلندی پر اعلیٰ علیین میں لے جانے کے لئے ابھار رہی ہے کفار ناہنجار کے مقابلہ اور نفرت کے باوجود "اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفواً احد" کا سبق ابتدائے اذان بصورت بیہ پکار پکار کر سنا رہے ہیں۔ معاند داعی حق کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے ہیں۔ اسلام قبول کرنے والوں کو گوناں گوں عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔ گھر بار اور وطن چھوڑنا پڑتا ہے۔ بال بچے سے جدا ہونا منظور ہے۔ ہر چیز چھوٹ سکتی ہے۔ نہیں چھوٹ سکتا تو اسلام یہ نشہ وہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔

آج کے مسلمانوں یعنے ان اخلاف کو ان اسلاف کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ کہ ان لوگوں نے اسلام کی نعمت عظمیٰ کو کن مشکلات و صعوبات کا مقابلہ کر کے پایا تھا۔ تم اس نعمت بے مشقت

حاصل شدہ کو کس ارزانی سے بیچ رہے ہو۔ "بدہ احد محض محمد دہ" "الاعراب اشد کفراً و نفاقاً" جن لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ ان کے اخلاق قبل نبوت اور آپ کے اخلاق میں جو امت محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں ہونیکے دعویدار ہو۔ خود انصاف کر دکیا فرق ہے۔ جلد توبہ کرو اسلام کی بے حرمتی تمہاری ذلت اور بے حرمتی کا موجب ہوگی۔

قریش دیکھتے کہ آپ تمام مختلف عقائد جماعتوں کیلئے فلاسفر اور حکیم ہیں۔ رجس شرک سے نجات دلاتے ہیں۔ کفر کی نجاست مٹاتے اور زائل کرتے ہیں۔ بت پرستوں کو بت پرستی سے روکتے ہیں تثلیث کے قائل کو وحدت کے صراط مستقیم پر گامزن ہونا سکھاتے ہیں۔ دہریوں کو ماورا الطبعیت کے حجاب سے باہر نکالتے ہیں۔ سچائی۔ ادائے امانت۔ ایفائے عہد۔ صلہ رحمی۔ حسن جوار۔ اور کمزور وضعیف پر رحم کرنا بتاتے ہیں جرام۔ فواحش۔ خون ریزی۔ دروغ گوئی اتہام عفائف اور یتیموں کا مال کھانیسے اعراض وکنارہ کشی فرماتے ہیں۔

قریش جب اپنے آپ پر نظر ڈالتے۔ کہ وہ بت پرست ہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا پرست ہیں۔ وہ مردار کھاتے

ہیں۔ زنا و فواحش کو برا نہیں سمجھتے۔ آپ ان چیزوں سے بیزار و دور ہیں۔ وہ رشتہ داروں سے جنگ و جدال کرتے ہیں۔ یہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ وہ ہمسایوں کو ستاتے اور دکھ پہنچاتے ہیں۔ ان کے ہمسائے آرام و راحت پاتے ہیں۔ وہ عورتوں کو گالی نکالتے ان کے حقوق تلف کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ حیوانوں سے بدتر سلوک کرتے اور مال چھین لیتے ہیں۔ یہ ان تمام عیوب سے باز رہتے اور باز رہنے کو کہتے ہیں۔ گویا کفار جہالت کی ایسی تاریکی میں پڑے ہیں کہ انہیں حق و باطل حسن و قبح میں تمیز نہیں۔ اور آپ کے ظہور نے ان کو عقل کے ایسے چکر میں ڈال دیا۔ کہ عقل سے سمجھتے نہیں جانتے ہیں۔ بوجھتے نہیں۔ آپ ان کی ہدایت کے لئے جتنے حریص تر ہیں۔ وہ اتنے ہی ہدایت سے دور ہیں۔ "انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشآء" ہدایت تیری مرضی پر نہیں۔ اللہ کے ارادے سے ہے۔ "لقد حق القول علیٰ اکثر ھم فھم لا یؤمنون" جن کے لئے وارد ہو چکا ہے وہ سیدھے راستے پر کیسے آسکتے ہیں۔

اب قریش کو اور بے چینی ہوئی۔ جو مسلمان ان کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے

حبشہ کا بادشاہ نجاشی نو واردین کے لئے نہایت رحم دل تھا۔ جو
اس کے پاس پناہ لیتا اس کے لئے محبت اور اعانت کا دروازہ
کھلا تھا۔ عادل اور انصاف پسند تھا۔ ادھر انہی دنوں عمر بن الخطاب
اور حمزہ بن عبدالمطلب مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے
سے اسلام کی عزت بڑھ گئی مسلمانوں کی طاقت دو چند بلکہ چار چند
ہو گئی۔ قبائل میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ عرب سے باہر دیگر
ممالک میں بھی لمعات اسلام کی درخشانی ضو فشاں ہوئی۔

پھر مجلس شوریٰ کو بلایا۔ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے عدم
تعاون کی قسمیں اٹھائیں۔ ان سے لین دین۔ شادی غمی میں شمولیت
نشست برخاست اور بول چال تک کے مقاطعہ کی حلف لی۔
ایک عہد نامہ لکھ کر سب کے دستخط کرائے۔ انگوٹھے لگوائے۔
خفیہ طور پر وہ عہد نامہ کعبہ میں رکھا گیا۔ ادھر بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب
کا سارا خاندان بھی سوائے ابی لہب کے اکٹھا ہو گیا۔ دو تین سال
تک متواتر عہد نامہ کی اس شدت سے پابندی کی کہ بنو ہاشم و
بنو عبدالمطلب تک کوئی چیز پہنچنے نہ دیتے تھے۔ الا ماشاء اللہ
اگر کوئی شخص خفیہ طور پر صلہ رحمی کرنا چاہتا تو کچھ کرتا۔

لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم رات دن ظاہر باہر سرا و جہرا۔

اپنی تبلیغ بازاروں میں میلوں میں شوارع عام میں بے جھجک فرماتے کسی کا خوف نہیں۔ لوگ تمسخر اڑاتے، ہمز و لمز، طنز و تشنیع سے مخاصمت کرتے۔ مگر پیغام رسالت کے پہنچانے میں تاجبل قائل کو مخل نہیں ہونے دیا۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی کہ وہ صحیفہ جو قریش نے کعبہ میں رکھا تھا۔ اللہ نے اُس پہ زمین کو مسلط کیا۔ ان کی تحریر معاہدہ مٹا دی گئی صرف اللہ کا نام اسمیں درج ہے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اپنے چچا ابوطالب کو بتائی۔ انہوں نے آپ سے پوچھا۔ کیا اس امر کی اطلاع تمہارے رب نے تمہیں دی۔ آپ بولے۔ ہاں خدا نے بتلایا۔ ابوطالبؓ اسی وقت اُس معاند قوم کے پاس گئے۔ کہا۔ اے قریش میرا بھتیجا تمہارے صحیفہ کے متعلق یہ اطلاع دیتا ہے۔ وہ نکال کر دیکھو اگر اُس کا کہنا صحیح ہے۔ تو پھر ہمارا مقاطعہ چھوڑو۔ اگر غلط ہے اور وُہ جھوٹ کہتا ہے تو میں اُسے تمہارے حوالے کر دونگا۔ صحیفہ نکالا جیسا بتایا تھا ویسا پایا۔ غضبناک ہوئے۔ عہدنامہ پرزے پرزے کر دیا۔ پاؤں میں روندا۔

معراج۔ اب معراج کا واقعہ آگیا۔ "سبحان الذی

اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الیٰ مسجد الاقصیٰ

آپ نے عام اعلان کر دیا۔ کہ میرے قدوس رب العالمین نے مجھے بیت الحرام سے بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمانوں پر لیجا کر کہاں کہاں سیر کرائی۔ وہاں کیا کیا دیکھا "اما بنعمت ربک فحدث" اس نعمت عظمےٰ کا جونہی ذکر کیا۔ لوگوں نے تصدیق نہ کی۔ ایک رات بلکہ رات کے کچھ حصہ میں بیت الحرام مکہ سے بیت المقدس تک جانا ناممکن تھا۔ اسقدر بُعد مسافت کو طے کرنے کیلئے سریع السیر طیارے بھی نہ تھے۔ پھر فلک اولیٰ سے فلک الافلاک تک جانا طبیعت بشری کیلئے عقل خام کیسے قبول کرتی۔ راستے کے نشان پوچھے۔ ان اشیاء کے متعلق سوال کئے جو آن کی دیکھی بھالی تھیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کے راستہ تک سے ناآشنا تھے۔ ہر نشان اور ہر پتہ جو پوچھا آپ نے بے کم کاست صحیح صحیح بتایا۔ پھر بھی وہی انکار۔ ابوبکر سے کہا تیرا دوست کہتا ہے رات آسمانوں کی سیر کرایا گیا ہوں۔ کہا جو وہ فرماتے ہیں سب سچ ہے۔ پہلے ابوبکر تھے اب ابوبکر صدیق رضؓ کہلائے۔

ایذارسانی اور بڑھی۔ ضرر و شر مختلف حیل سے شروع کی۔ آپکو پہلے سے اطلاع ہو جاتی۔ آپ بتا دیتے کہ تمہارے یہ مکاید کامیاب نہ ہونگے۔ بعض ظاہر اعداوت و دشمنی کرتے۔ بعض نفاق و ریا سے کام

لیتے۔ جور و ستم جبر و تشدد اس قساوت قلبی سے کرتے کہ دیکھنے والے دشمن کے بدن پر بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ کوئی حیلہ کفار کا کامیاب نہ ہوتا۔ جس حیلہ و شرارت کو اسلام کے مٹانے کیلئے سم قاتل سمجھ کر کرتے وہی تریاق ثابت ہوتا۔ ازدیاد اسلام اور حُب اسلام کیلئے کامل نسخہ ہوتا۔ ابوبکر صدیق جیسے دانا آدمی قرآن شریف تلاوت فرماتے تو آنسو موسلا دھار باران کی طرح برس رہی ہوتی۔ خوف خدا سے بدن پر رعشہ اور کپکپی پڑ رہی ہوتی۔ اس سے کافروں کو اپنے معبودوں اور مذہب کی بربادی کا اور یقین ہوتا۔ فکر دامنگیر، سوچتے کچھ ہوتا کچھ آخر مایوس ہو جاتے۔ ایذا رسانی کے اور ذرائع سوچتے۔

اب خدیجۃ الکبریٰ اور ابو طالب کی وفات حسرت آیات ایک ہی سال میں ہو گئی۔ ان دونوں کی وفات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بھاری صدمہ تھا۔ ادھر رفیقہ حیات داغ جدائی دے گئی۔ ادھر مربی مخلص کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اب قریش کو اس قسم کی تکالیف دینے کا موقع مل گیا جو کہ ابو طالب کے حین حیات میں نہیں دے سکتے تھے۔ آپ مکہ چھوڑ طائف میں بنی "ثقیف" سے امداد کی توقع پر چلے گئے۔ مگر اس قوم کے رؤسا و امراء نے بھی استہزاء و تکذیب سے کام لیا۔ واپس مکہ کو لوٹے۔ اب ان کی دشمنی کو پہلے سے

زیادہ پایا۔ نومسلموں پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آپ نے ہمت نہیں ہاری۔ ہر اجتماع میں جا کر تبلیغ کی۔ "بنی کندہ" کے پاس ان کے گھروں میں جا کر پیغام سنایا۔ انہوں نے نہ مانا۔ "بنی حنیفہ" کے پاس گئے۔ اور حق کی دعوت دی۔ وہ ردِّ دعوت میں سب سے بدترین ثابت ہوئے۔ "بنی عامر" کو بلایا۔ انہوں نے انکار کیا۔

اس کے بعد ایک خاص میلہ تھا۔ دور دراز سے لوگ شامل ہونے کے لئے آتے تھے۔ انصار مدینہ سے بھی ایک گروہ آیا آپ حسب معمول تبلیغ کے لئے وہاں پہنچے۔ مقام عقبہ کے قریب قبیلہ خزرج کی ایک جماعت سے ملنے کا اتفاق ہوا ان پر اسلام اور اس کے احکام پیش کئے "آمنوا به وصدقوه" ایمان لائے تصدیق کی۔ چونکہ نبوت کے وہ تمام نشانات جو اپنے علماء سے سن چکے تھے۔ اہل علم واہل کتاب نے جو نشانیاں بتائی تھیں۔ آپ میں نظر آئیں۔ جب واپس اپنے وطن یثرب (مدینہ) پہنچے۔ قوم کو من وعن سنایا۔ ان کو اسلام کی طرف بلایا۔ "مدینہ" میں ایک گھر گھر چرچا عام ہوا۔ انصار کا کوئی گھر بھی ایسا نہ تھا۔ جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہ ہو۔

سال مستقبل میں دوبارہ وہ لوگ آئے۔ انصار سے بارہ آدمیوں

نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضور نے اپنے چچیرے بھائی مصعبؓ کو اسلام سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لئے ساتھ بھیجا۔

ان سے وعدہ ہؤا کہ رات کو فلاں مقام پر اکٹھے بیٹھ کر بات چیت کریں گے۔ مقررہ رات عقبہ کے نزدیک غار میں تہائی رات گذرے تہتّر ۷۳ آدمی پوشیدہ طور پر وہاں پہنچے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا عباس کو ہمراہ لئے تشریف لائے۔ دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ انصار میں سے بارہ آدمی اس خدمت کے لئے مقرر ہوئے کہ وہ اعداً بدنہاد کی اندرونی سازشوں سے خبردار ہو کر قوم کے مظلوموں اور ستم رسیدہ آدمیوں کی نصرت اور دستگیری کریں۔ آپ "نقیب" کہلائیں گے۔ تم اپنی قوم کے کفیل رہو۔ جیساکہ عیسےٰ علیہ السلام کے حواری ان کے کفیل تھے۔ اور میں اپنی قوم کا کفیل رہوں گا۔ تمام مسلمان میری قوم ہیں۔ انہوں نے کہا "لبیک"

قریش کو اس رازِ پوشیدہ و مصلحت اندیشدہ کا پتہ چل گیا جستجو کی۔ ظن یقین سے بدلا۔ سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو جو بارہ نقیبوں میں سے دو ۲ تھے۔ تلاش میں پالیا۔ منذر تو قابو نہ آیا مقابلہ کر کے نکل گیا۔ سعد پکڑا گیا۔ مکہ میں لائے۔ سخت مار اپیٹا۔ دو ۲ آدمیوں کی پناہ لی انہوں نے پناہ دی۔ قوم کو مدینے جاتے پیچھے سے جا لیے۔

مدینہ پہنچ کر ان لوگوں میں اشاعتِ اسلام کی۔ بنی سلیمہ کے سادات و اشراف جو گھروں میں لکڑی کے بت بنا کر پوجا کرتے تھے۔ سب اسلام لائے بت توڑ دیئے۔

اب قریش کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے حامیوں اور انصار کا سارا راز معلوم ہو گیا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ کچھ اصحاب ہجرت کر گئے ہیں۔ اور جانے والے ہیں۔ "دارالندوہ" میں جمع ہوئے۔ فیصلہ ہوا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو محبوس کر لیں۔ جانے نہ پائیں۔ پھر یہ تجویز ہوئی ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لیا جائے۔ وہ اکٹھا حملہ کر کے قتل کر دیں۔ قصاص دم تمام قبائل پر پڑے۔ بنو عبدالمناف سب سے جنگ و جدال کرنے کی طاقت نہ پاویں گے۔ خون رائیگاں جاوے گا۔

ہجرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان مکائد سے آگاہ کر دیا۔ رات کے وقت اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سلا دیا۔ ان پر اپنی چادر ڈال دی۔ دروازہ سے باہر دشمن اس انتظار میں رہا کہ جب نکلیں گرفتار کر لیں۔ اللہ نے ان کی آنکھوں میں خاک جھونک دی۔ "خسر الدنیا والاخرۃ" ہو کر ناکام رہے۔ آپ ابوبکر صدیقؓ کے حجرہ کے دریچہ سے نکل کر ان کے پاس سے گذر گئے۔ معلوم تک نہ ہوا۔ ساری رات پہرہ دیتے رہے۔ صبح علیؓ اندر سے باہر آئے

اُس وقت معلوم ہُوا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بے خوف و خطر صحیح سلامت نکل گئے۔

معجزات سفر ہجرت

اس سفر میں بہت سے معجزات ظاہر ہوئے۔ (۱) آپ اپنے دوست ابو بکرؓ کی معیت میں جبل ثور کی اُس غار میں پہنچے۔ جہاں کچھ وقت ٹھیرنے کا فیصلہ تھا۔ اہل مکہ کو پتہ چلا۔ کھوج نکالتے غار کے منہ تک آئے۔ دیکھا۔ غار کے منہ پر تو پرانا مکڑی کا جالا تنا ہُوا ہے یقین ہُوا کہ یہاں کوئی داخل نہیں ہُوا۔ کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا نہ ہوتا۔ کھوجی نے کہا نشان قدم یہاں ختم ہوتا ہے واپس چلو۔

(۲) سراقہ گھوڑے پر سوار دونوں دوستوں کی تلاش کے لئے نکلا۔ کئی روز کی راہ پر ان کو پالیا۔ حملہ کرنا چاہا۔ کہ پکڑ کر واپس لوٹا لے جائے گھوڑا زمین میں دھس گیا۔ گویا زمین راکب و مرکوب دونوں کو نگلنا چاہتی ہے۔ امان کی درخواست کی۔ اے محمدؐ اپنے خدا سے دعا مانگ مجھے بچائیے۔ عہد کرتا ہوں آپ کی تلاش چھوڑ یہیں سے واپس لوٹ جاؤنگا۔ آپ نے دعا مانگی زمین نے چھوڑ دیا۔ پھر حملہ کرنا چاہا پھر

پھر زمین سے پکڑ لیا۔ پھر توبہ کی۔ دو یا تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔

(۳) جب مدینہ منورہ پہنچے۔ بنی سالم۔ بنی بیاضہ۔ بنی ساعدہ۔ بنی حارثہ کے گھروں کے پاس سے گذرے۔ جہاں سے گذرتے۔ ہر ایک دوڑ کر سانڈنی کی مہار پکڑ بٹھانے کی کوشش کرتا۔ کہ آپ ہمارے مہمان ہوں۔ فرمایا۔ مہار چھوڑ دو۔ یہ مامور من اللہ ہے جہاں اسے اللہ کا حکم ہوگا بیٹھ جاوے گی۔ جب سانڈنی بنی مالک اور بنی نجار کے گھروں کے سامنے آئی بیٹھ گئی۔ آپ پھر بھی سانڈنی کی پشت سے نہیں اترے۔ سانڈنی اٹھ کر ادھر اُدھر کا چکر لگا پھر وہیں آکر بیٹھ گئی۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں مسجد نبوی ہے۔ ابو ایوب انصاری نے آپ کا سامان اتار کر اپنے گھر مہمان ٹھیرایا۔ جہاں سانڈنی بیٹھی یہ بنی نجار کے اونٹوں کے بیٹھنے کا میدان تھا۔ انہوں نے یہ جگہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بخشنی چاہی آپ نے قبول نہ فرمائی۔ ابو ایوب انصاری نے خرید لی۔ کچی اینٹوں سے مسجد نبوی بنائی گئی۔ پہلو کی دیواریں پتھر کی تھیں۔ شہتیر کھجور کے تنہ کے۔ چھت کھجور کے پتوں کی۔ اس مسجد کے بنانے میں جن لوگوں نے کام کیا سب لوجہ اللہ تھا۔ کسی نے کوئی اجرت نہیں لی۔ یہود نے باہمی تعاون و تعہد کا تحریری عہد نامہ لکھ دیا۔ جس پر بعد میں قائم نہ رہے۔

مواخات مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم کیا گیا۔ باہمی محبت و الفت کا یہ نیا سلسلہ قائم ہُوا جعفر بن ابی طالب جو حبشہ میں تھے اور معاذ بن جبل۔ ابو بکر صدیقؓ اور خارجہ۔ عمر بن الخطاب و عتبان بن مالک کے درمیان سلسلہ اخوت و برادری قائم کیا گیا۔ مہاجرین و انصار میں سے پندرہ پندرہ آدمیوں میں عہد مواخات ہُوا۔

اس کے بعد فرضیت زکوٰۃ کا حکم آیا۔ اسلام کے سرمایہ داروں پر اپنے فاقہ کش بھائیوں کے لئے معمولی سا ٹیکس اللہ کی طرف سے مقرر ہُوا۔ اغنیاء کے لئے زکوٰۃ کے ادا کرنے میں اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ہے۔ شکریہ میں ازدیاد نعمت ہے۔ "ولئن شکرتم لازیدنکم" دل سے حسد و کینہ دور ہوتا ہے۔ محبت کا شعور ہوتا ہے۔ رحم کرنے والے پر خدا کا رحم ہوتا ہے۔ غنی جب مفلس کے دل کے انقباض اور تکلیف کو دور کرتا ہے۔ اللہ اُس کے دل میں راحت اور کشادگی پیدا کرتا ہے۔ قوی جب ضعیف کی دستگیری کرتا ہے تو اقوی جو سب سے قوی تر ہے اُسے اپنی نگرانی میں لیکر اور بلند کرتا ہے۔

غزوات سطح بین نظر میں مسلمان مکہ چھوڑ کر جب مدینہ پہنچے

امن میں آگئے۔ مگر حقیقت یہ کہ مشکلات اور بڑھ گئیں۔ مکہ کے لوگ
زیادہ مشتعل ہوئے۔ وہاں ایک قوم یا قبیلہ تھا۔ یہاں یہود بھی تھے۔
جو خصائل و عادات میں انصار سے بالکل مختلف تھے کچھ منافقین
بھی پیدا ہو گئے۔ اس سے پہلے مدینہ بیرونی خطرات سے بالکل محفوظ
تھا۔ اب قریش کے غیظ و غضب کا تاراجگاہ بن گیا۔

عبداللہ بن ابی مدینہ میں رئیس الانصار تھا۔ قریش مکہ نے اسے
تہدیدی خط لکھا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں پناہ دی ہے
وہ کچھ برانگیختہ ہوا آپ نے اسے سمجھایا کہ اگر جنگ کرو گے تو تمہارا
اپنا خاندان تباہ ہو گا۔ تمہارے خاندان کے بہت سے آدمی اسلام
قبول کر چکے ہیں کیا ان سے لڑو گے وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

انہی دنوں سعدؓ بن معاذ جو قبیلہ اوس کے رئیس اعظم تھے مکہ معظمہ
طواف کعبہ کے لئے گئے۔ امیہ بن خلف سے پرانا تعلق تھا۔ انہی کے
مہمان ٹھیرے۔ ایک روز امیہ کو ساتھ لیکر طواف کو نکلے۔ ابوجہل سامنے
آیا۔ امیہ سے پوچھا یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ کہا سعدؓ ہے۔ ابوجہل
بولا تم نے صابیوں (یعنی کفار و مرتد مراد اہل اسلام) کو پناہ دی ہے
تو امیہ کے ہمراہ نہ ہوتا تو یہاں سے بچ کر نہ جاتا۔ سعد نے کہا اگر تم نے
ہمیں حج سے روکا تو ہم تمہاری شامی تجارت بند کر دیں گے۔

قریش کا احترام حرم کی تولیت کے باعث بھی تھا۔ سینئے قریش نے عرب کے تمام قبائل کو
مسلمانوں کےخلاف خوب بھڑکایا۔ اس قسم کے واقعات نے مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ پریشان کر
اس لئے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچکر
سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدابیر کا کیا۔ اپنی اور
مہاجرین کی حفاظت کے علاوہ انصار کی حفاظت کا سوال بھی درپیش
تھا اس بنا پر آپ نے دو تجاویز اختیار کیں۔ اول قریش کی شامی
تجارت کو جو ان کے لئے مایۂ غرور تھی روکا جاوے جس کی دھمکی سعدؓ
نے بھی دی تھی۔ دوسرے مدینہ کے قرب وجوار کے قبائل سے امن
امان کا معاہدہ ہو جائے۔

ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے جنگ بدر سے پہلے سو سو
پچاس پچاس کی ٹکڑیاں مکہ کی طرف روانہ ہونے لگیں۔ ابواء۔ بواط
عشیرہ بدر اولیٰ وغیرہ غزوات انہی سرایا سے تعلق رکھتے ہیں
سریہ حمزہؓ۔ سریہ عبیدہؓ بن حارث سریہ سعدؓ بن ابی وقاص ہیں
یہ لوگ مختلف جماعتوں کو لیکر مختلف جانب کو گئے۔ مگر ان میں سے
کسی مہم میں کشت وخون نہیں ہوا۔ ان سرایا سے مقصود کشت و
خون یا غارت گری نہ تھا سعد بن ابی وقاص کی تہدید کے مطابق شامی
تجارت کو روکنا یا خوفزدہ کرنا تھا تاکہ وہ صلح پر آمادہ ہو کر اسلام دشمنی

چھوڑ دیں۔

صفر ۲ ہجری میں آپ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے ابوا تک گئے جو مدینہ سے آٹھ منزل یا اسی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ چند روز وہاں ٹھہر کر بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا۔ جمادی الثانی ۲ ہجری ذوالعشیرہ پہنچ کر بنی مدلج سے معاہدہ ہوا یہ مدینہ سے ۹ منزل یا نوے میل ینبوع کے نواحی میں واقع ہے۔

چند روز بعد رجب ۲ ہجری عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔ عبداللہ کو ایک ملفوف خط دیا اور ہدایت کی کہ دو روز مسافت کے بعد اسے کھولنا۔ حسب ہدایت دو روز کے بعد کھولا تو لکھا تھا مقام نخلہ میں مقام کرو۔ اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ۔ اور اطلاع دیتے رہو۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان مکہ سے شبانہ روز کی مسافت پر ہے۔ اتفاق سے قریش کے چند آدمی مال تجارت لاتے ہوئے سامنے نظر پڑے۔ عبداللہ نے ان پر حملہ کیا۔ عمرو بن حضرمی جو کہ حرب بن امیہ کے حلیف عبداللہ حضرمی کا بیٹا قوم کا رئیس تھا مارا گیا۔ دو آدمی گرفتار ہوئے۔ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ گرفتار ہونے والے عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان تھے۔ جب مدینہ پہنچے مال غنیمت پیش کیا حضور نے فرمایا

ہیں نے یہ اجازت نہیں دی تھی۔ ناراض ہوئے۔ اللہ کا حکم "یسئلونک عن الشهر الحرام قتال قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ" نازل ہوا۔ یہ سریہ بعد کے جنگوں کا محرک بنا۔ گرفتار ہونے والے بھی قوم کے رئیس تھے اور مقتول حضرمی بھی رئیس اعظم تھا۔

تحویل کعبہ | محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے ایک سال پانچ ماہ بعد بیت المقدس سے مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ آپ نے بر سر ممبر اعلان کیا۔ انصار نے سنا اور "سیقول السفهاء من الناس ما ولٰهم عن قبلتهم التی کانوا علیها قل للّٰه المشرق والمغرب" کی آیت نازل ہوئی۔

عمرو بن حضرمی کے قتل نے قریش میں ایسا ہیجان پیدا کیا کہ قابو سے باہر ہو گئے۔ غیض وغضب کا طوفان امنڈ آیا۔ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ اس کے بعد بیعت کا اور کوئی دن نہیں ہو سکتا۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ بعد میں ہونے والے تمام جنگ حضرمی کے قتل سے ہوئے۔

جنگ بدر | آپ اس کے بعد اسی سال کے رمضان المبارک

تک مدینہ میں رہے۔ اطلاع ملی کہ قریش کا تیس چالیس آدمی کا قافلہ مال تجارت لیکر شام سے مکہ کو آرہا ہے۔ اس قافلہ کا سردار یا قافلہ سالار ابوسفیان ہے مسلمانوں کو اکٹھا کیا۔ مگر اجتماع کثیر کا کوئی اہتمام اس لئے نہیں کیا کہ جنگ کا ارادہ نہ تھا۔ نہ قافلے کا لوٹنا مقصود تھا۔ ان کو متنبہ کرنا تھا۔ تاکہ وہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں یا یہ سمجھ جائیں کہ اگر ہم نے مسلمانوں کو ناحق ستایا تو ہماری شامی تجارت کا راستہ خطرے میں ہو جائے گا۔

ابوسفیان کی روانگی شام کا علم قریش مکہ کو بھی ہوا۔ انہیں اپنے مظالم اور کردار ناشائستہ ڈرا رہے تھے۔ سوچا۔ قافلہ کے راستہ میں مدینہ واقع ہے۔ مبادا مسلمان قافلہ سے چھیڑ چھاڑ کریں۔ حضرمی کا قتل انہیں پہلے جنگ پر آمادہ کر چکا تھا۔ لڑائی چاہتے ہی تھے۔ یہ بہانہ مزید ہاتھ آگیا۔ برائے پیکار تیار و ہوشیار رہے ہزار نو سو کے قریب جوان جو اسلحہ وقت سے مسلح تھے میدان میں نکل کھڑے ہوئے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی قریش کے اہتمام تام کی جاسوس نے اطلاع دی۔ مہاجرین و انصار کو بلایا۔ سب نے لبیک۔ اور صدق دل سے لبیک کی۔ کہا یا رسول اللہ " لو استعرضت بنا هذا البحر

لخضناکا محل" یہ جنگ کیا ہے۔ ہمیں سمندر پھلانگنے کے لئے
حکم دیں۔ ہمیں بے تامل کود پڑیں گے۔

اب کفار مکہ کو بھی مسلمانوں کی تیاری کا علم ہو گیا۔ اپنی کثرت
اور مسلمانوں کی قلت جانتے مانتے ہوئے بھی مقابلہ کی جرأت نہ
کر سکتے تھے۔ دل میں خوف طاری تھا۔ پتہ ہوا کہ ابو سفیان راستہ
تبدیل کر کے دوسری طرف سے نکل آیا ہے۔ ان میں سے بہت تو
یہ کہنے لگے۔ کہ جس قافلے کو بچانا مقصود تھا۔ وہ تو نکل گیا۔ یہیں سے
واپس لوٹ جائیں آگے بڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ اخنس
بن شریق بنی زہرہ و بنی عدی کو ہمراہ لیکر لوٹ بھی گیا۔ ابو جہل نہ مانتا
تھا موت بلا رہی تھی۔ عزرائیل پیچھے قدم اٹھانے سے مانع تھا جنگ
کے ارادہ سے نہ ٹلا۔ عربوں کو بلند آواز سے جنگ کے لئے ابھارتا۔
ان کی آتش غیض و غضب و احساسات طبعی کو ہوا دیتا اور زیادہ
بھڑکاتا ہوا چل نکلا۔

ان میں کچھ امن پسند بھی تھے۔ جن کے دل خونریزی سے لرزتے
تھے حکیم بن حزام نے فوج کے سردار عتبہ کو کہا۔ آپ چاہیں تو یہ
جنگ رک سکتی ہے۔ قریش کا مطالبہ عظیم حضرمی کا خون ہے۔ وہ آپ
کا حلیف تھا۔ خونبہا ادا کر دیں۔ معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ عتبہ نے

منظور کر لیا۔ ابوجہل سے مشورہ ضروری تھا۔ اُس کو کہا گیا۔ ابوجہل بولا۔ عتبہ کا بیٹا ابو حذیفہ مسلمان ہو چکا ہے وہ فریق مخالف میں لڑنے کے لئے موجود ہے۔ عتبہ اس لئے جنگ سے پہلو چراتا ہے۔ ہم ہرگز نہیں لوٹیں گے۔ جب تک کہ مقام بدر تک پہنچ نہ جائیں وہاں تین روز ٹھہریں گے۔ سامنے کوئی نہ آیا تو پھر لوٹینگے۔

قریش مقام بدر پر پہلے پہنچ گئے۔ اچھی جگہوں پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کے قبضہ میں کنواں یا چشمہ وغیرہ کوئی نہ تھا جگہ بھی ریتلی تھی۔ ایک جگہ تجویز کی گئی۔ مگر حباب بن منذر نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ یارسول اللہ وحی کے حکم سے یہ جگہ تجویز ہوئی ہے یا اپنی مرضی سے۔ فرمایا وحی کا حکم تو نہیں ہے۔ عرض کی کچھ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیں۔ آپ نے حباب بن منذر کی رائے پسند فرمائی۔ اسی پر عمل کیا گیا تائید ایزدی سے بارش بھی ہو گئی۔ گرد و غبار جم گیا۔ پانی جمع کر لیا گیا۔

قیام گاہ لشکر کے ایک طرف نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک جھونپڑی بنائی تاکہ اسمیں آپ قیام فرمادیں۔ آپ خون سے دست آلودہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ شمشیر لئے دروازہ پہ پہرہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ علم مصعب بن عمیر کے سپرد ہوا۔

بنی خزرج کے علمبردار حباب بن منذر مقرر ہوا۔ بنی اوس کا جھنڈا سعد بن معاذ کے ہاتھ میں دیا گیا۔ مسلمانوں کی کل تعداد ۳۱۳ تھی سوار صرف دو زبیر اور مقداد تھے۔

دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تیر تھا جس کے اشارہ سے اپنی صفوں کو درست کرتے رہے۔ پھر جھونپڑی میں چلے گئے۔ قریش سامنے بڑے کر و فر اور غرور سے گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے۔ جنگ پر ابھارنے بھڑکانے اور جوش دلانے والے نعرے مار رہے تھے عامر کھڑا ہوا۔ "واعمراہ واعمراہ" ہائے عمرو خضرمی ہائے عمرو خضرمی کے استغاثہ سے لوگوں کو غیرت دلائی۔ جنگ پر آمادہ کرنے والے الفاظ سے چیخنا پکارنا شروع کیا لوگ جوش و خروش میں آئے۔ یکدفعہ حملہ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔

ادھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نہایت خشوع و خضوع سے درگاہ الٰہی میں دست بدعا تھے۔ گنگنا رہے تھے اے باریتعالیٰ اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت تباہ ہو گئی تو روئے زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ تو نے جس نصرت و فتح کا وعدہ فرمایا ہے پورا کر۔ یہ کہتے اور استغراق کی حالت طاری ہو جاتی

کئی بار ایسا ہوا آخر مراقبے سے سر اٹھایا فرمایا۔ "ابشر یا ابوبکر فقد اتی نصر اللہ" ابوبکر تمہیں خوش خبری ہو۔ اللہ کی فتح آئی قوم کو ابھارا۔ جوش دلایا۔ دشمن کی طرف کنکریوں سے مٹھی بھر "شاهت الوجوه" کہتے ہوئے پھینکی مسلمانوں نے زور کا حملہ کیا۔ مشرک شکست کھا کر بھاگے۔ ستر آدمی قتل ہوئے۔ جنہیں میں کے قریب چوٹی کے سردار تھے۔ چوبیس گرفتار و قید ہوئے وہ بھی رؤسائے قوم تھے۔ ان کے نام و قبیلہ کی تفصیل کتب سیر میں ہے۔ مسلمان آٹھ شہید ہوئے۔ پانچ مہاجر ایک انصاری آیک قبیلہ خزرج و اوس سے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مال غنیمت تقسیم ہوا۔ رمضان شریف کے ابھی آٹھ دن باقی رہتے تھے کہ آپ مدینہ میں واپس داخل ہوئے۔ اسی سال رمضان شریف کے روزے فرض ہوئے۔ صدقہ فطر کا حکم ہوا۔ عید الفطر کی نماز باجماعت عید گاہ میں پڑھائی اس کا حکم بھی اسی سال ہوا۔

پہلے بیان کیا گیا ہے کہ دلائل و براہین سے تمام قریش کو حق کی دعوت دی گئی شبہات کا ازالہ ہر طریق سے کیا گیا تاکہ کوئی عذر نہ رہنے پائے۔ "قد تبین الرشد من الغی" حق واضح ہو چکا مگر اتباع ہوا۔ عناد۔ کبر و غرور اور جاہلانہ حمیت حب حق

قبول کرنے سے مانع ہوئی تو تلوار کی ضرورت لاحق ہوئی۔

بدر کے اکثر قیدیوں کو قریش نے زر فدیہ دیکر رہا کرا لیا۔ کعب بن اشرف کو جو یہودیوں کا رئیس تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو سخت بھڑکاتا تھا۔ اُسے قبیلہ اوس نے قتل کیا۔

اسی جنگ بدر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا داماد ابو العاص بھی گرفتار ہو کر آیا۔ اپنی بیوی زینب کو جو مکہ میں موجود تھیں زر فدیہ کے لئے کہلا بھیجا۔ اُس نے زر فدیہ کے بدلہ اور مال کے علاوہ اپنا قیمتی ہار بھی دے بھیجا جو اُسے جہیز میں والدین سے ملا تھا۔ آپ کا دل وہ ہار دیکھکر محبت و شفقت پدری سے بھر آیا۔ اصحابہ کو کہا اگر چاہو تو یہ ہار جو میری بیٹی کے پاس اپنی ماں کی یادگار ہے۔ اُسے واپس کر دیں۔ سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا لیں۔ ہار واپس کر دیا گیا۔ ابو العاص نے مکہ پہنچ کر زینب کو مدینہ بھیج دیا۔ چند دنوں بعد مال تجارت لیکر شام کی طرف سے قافلہ آرہا تھا مسلمانوں نے ان کو پکڑ لیا۔ مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ابو العاص بھی اس قافلے کے ہمراہ تھا۔ آپ نے پھر سفارش کی کہ ابو العاص کو مال واپس دیں تو بہتر ہو۔ اصحابہ کرام

نے پھر تسلیم کی گردنیں جھکالیں۔ جس کے پاس کوئی چیز تھی ابوالعاص کو واپس کر دی۔ وہ مکہ پہنچا جس کسی کا کچھ لین دین تھا کوڑی کوڑی چکا دی پھر کہا۔ سنو لوگو میں مسلمان ہو کر مدینہ جا رہا ہوں۔ یہاں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ مقروض ہو گا قرضہ کے تقاضا سے ڈر کر مسلمان ہو گیا اور مدینہ میں بیٹھ رہا۔ اب جس کا کوئی مطالبہ میرے ذمہ ہو طلب کر سکتا ہے۔ یہ کہکر صدق دل سے مسلمان ہوا اور مدینہ منورہ پہنچا۔

اس کے بعد چند غزوات الکدر۔ سویق۔ ذی امر۔ بحران وغیرہ ہوئے۔ مگر آپ ان میں شامل نہیں ہوئے۔

غزوہ قینقاع فتح بدر نے یہود مدینہ کو آتش حسد میں جلا کر خاکستر کر دیا۔ وعدوں کو پس پشت ڈال دیا۔ سرکشی اختیار کی۔ فکر پیدا ہوا کہ اسلام زور پکڑتا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو ایک دن ہمیں بھی زیر ہونا پڑے۔ قبائل یہود میں سب سے بہادر قینقاع تھا۔ اس کے قبیلے نے اعلان جنگ کی جرأت کی ادھر یہود نے مدینہ میں بازار سے سودا لیتے ہوئے ایک مسلمان عورت کی بے حرمتی کی۔ ایک مسلمان دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودی اکٹھے ہوئے اس مسلمان کو شہید

کردیا۔ آپ کو علم ہوا۔ سمجھانے کے لئے ان کے پاس گئے۔ فرمایا یہ فسادات اچھے نہیں۔ خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی بدر والوں کا سا عذاب نازل ہو۔ بولے ہم قریش نہیں۔ جب ہم سے پالا پڑے گا ہم دکھا دیں گے۔ آپ اور آپ کے ساتھی جان جائینگے۔

ان کی طرف سے نقض عہد اور اعلان جنگ پہلے ہو چکا تھا۔ حضور نے بھی تیاری کر کے حملہ کر دیا۔ یہود قلعہ بند ہو گئے۔ پندرہ روز محاصرہ رہا۔ صلح کی درخواست کی ابن ابی کی سفارش سے جلاوطنی پر صلح طے پائی۔ اذرعات کی طرف جو شام کے علاقہ میں ہے۔ جلاوطن کر دیئے گئے۔ سات سو آدمی تھے۔ مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خمس دیا گیا۔ یہ ۲ھ ہجری کا واقع ہے۔

عید الضحٰے کا دن آ گیا۔ نماز عید شہر سے باہر جنگل میں لوگوں کو باجماعت پڑھائی۔ اپنے ہاتھ مبارک سے دو بکریاں ذبح کیں۔ یہ آپ کی پہلی قربانی ہے۔

غزوۂ احد

یہ تو معلوم ہے کہ حضرمی کے قتل اور واقعہ بدر نے قریش مکہ میں سخت ہیجان اور جوش پیدا کر دیا تھا جن کے قریبی رشتہ دار باپ بیٹے بھائی اور خاوند میدان بدر

میں قتل ہوئے تھے۔ وہ سب اور عورتیں بھی جنگ کیلئے مشتعل
تھیں۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ چند مشرکین کو ہمراہ لے کر بصورت وفد
ابوسفیان کے پاس پہنچا۔ مطالبہ محاربہ پیش کیا۔ شام سے جو تجارت
کا مال ابوسفیان لایا تھا اُس کا راس المال چھوڑ کر منافع سارے
کا سارا مصارف جنگ کے لئے وقف کر دیا گیا۔ بنو کنانہ تہامہ
وغیرہ قبائل بھی امداد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوسفیان
سپہ سالار مقرر ہوا۔ عورتیں ڈھولکیاں طبلے بجاتی جنگی گیت گاتی
جوانوں کو جوش دلانے اور بھڑکانے کے لئے ہمراہ ہوئیں۔
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی روانگی کا علم ہوا مسلمانوں
کو مدینہ میں قلعہ بند ہو کر لڑنے کا اشارہ کیا۔ فرمایا یہاں سے نہ
نکلیں۔ اگر وہ حملہ آور ہوں تو یہیں ان کا مقابلہ کر کے منہ پھیر
دیں۔ اکثر چیدہ آدمیوں کی رائے تھی کہ باہر نکل کر میدان میں
مقابلہ کریں۔ آپ چپ چاپ اٹھے۔ گھر گئے۔ زرہ زیب تن
کی۔ اسلحہ لگا کر باہر تشریف لائے۔ اب سب نے محسوس کیا
کہ باہر نکلنا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف ہے۔
اسمیں مصلحت نہ ہوگی۔ عرض کی آپ یہیں تشریف رکھیں ہم
وہی کریں گے جو آپ کی مرضی ہے۔ فرمایا نبی کے لئے جائز نہ

اور مناسب نہیں جب امت کے لئے زرہ پوش ہو پھر اسلحہ اتار کر گھر بیٹھ جاوے۔

ہزار آدمی کی جمعیت لیکر مدینہ سے چل پڑے۔ کچھ مستورات بھی مرہم پٹی اور زخمیوں کی امداد کے لئے ہمراہ تھیں حضرت عائشہ صدیقہؓ ام سلیم والدہ حضرت انسؓ اور ام سلیط ابو سعید خدری کی ماں کے نام خاص قابل ذکر ہیں۔ ابھی مدینہ اور احد کے درمیان ہی تھے کہ عبداللہ بن ابی منافق محض اس بہانہ سے بگڑ بیٹھا کہ فلاں معاملہ میں میری بات نہیں مانی گئی۔ اپنے تین سو ساتھیوں سمیت وہیں سے واپس لوٹ آیا۔ خس کم جہاں پاک۔ شکر ہے کہ وقت پر لوٹا۔ سات سو آدمی آپ کے ہمراہ آگے چل پڑے جن میں پچاس تیر انداز تھے۔ جبل احد کے دامن میں پہاڑ کو پیچھے رکھ کر اتر پڑے۔

مشرکین مکہ تین ہزار تھے جنمیں سات سو زرہ پوش تھے۔ مسلمانوں میں ایک سو زرہ پوش اور صرف دو سواری کے جانور ایک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری اور ایک ابی بردہ کا گھوڑا۔

جانبین میں شدت کا جنگ شروع ہو گیا۔ شروع شروع میں مشرکوں کے قدم اکھڑ گئے۔ خوف و ہراس چھا گیا۔ جانی

نقصان بھی سخت ہوا مسلمان نرم پڑ گئے۔ فتح کے غرور میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ تیر اندازوں کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خاص ہدایت بھی تھی کہ اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ وہ بھی مرکز چھوڑ بیٹھے۔ مشرکوں نے لوٹ کر دوبارہ حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے سے تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے۔ میدان خالی تھا۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ دشمن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا۔ مصعب بن عمیر علمبردار حضور کو آڑ میں لئے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر شہید ہوا۔ آپ کے رخسار مبارک پر کچھ زخم آئے۔ نیچے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے۔ آپ کمزوری سے ایک جگہ گر پڑے۔ حضرت علیؓ شیر خدا نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ طلحہ نے تھاما۔ مالک بن سنان خدری نے خون آلودہ جگہ سے خون چوس لیا۔ ابو عبیدہ بن جراح نے خود کی دو کڑیاں جو رخسار مبارک میں بیٹھ گئی تھیں، نکالیں۔ مصعب بن عمیر جو شکل وشباہت میں آپ سے بہت ملتے جلتے تھے۔ جب شہید ہوئے کسی نے خبر اڑا دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ یہ سن کر مشرکین میں جرأت بڑھی۔ مسلمان گھبرا گئے۔ نضر بن انس مسلمانوں کی ایک جماعت کے پاس پہنچا تو وہ دہشت زدہ مایوسانہ حالت

میں کہہ رہے تھے۔ کہ اب جنگ کس امنگ پر کریں جب آپ شہید ہو گئے ہیں۔ نضر نے کہا اگر رسول صلے اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ حملہ کرو۔ جام شہادت پئیں۔ رفیق مخلص کے پاس جتنا جلد ہو سکے پہنچیں۔ وہاں سے لوٹ کر اتنا سخت حملہ کیا کہ بہتوں کو واصل جہنم کر کے شہید ہو گئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" دیکھا تو جسم پر ستر زخم لگے ہوئے تھے۔ امیر حمزہ عم نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہوئے۔

اسی دوران میں بنی سلمہ کے شاعر کعب بن مالک نے بلند آواز سے لوگوں کو آپ کی زندگی کی خوشخبری سنائی۔ تمام مسلمان اکٹھے ہو گئے۔ مشرک بھاگ نکلے۔ اصحاب پانی لائے چہرہ مبارک کے زخم دھوئے۔ آپ ایک پہاڑ کی چٹان پر کھڑے ہو گئے تاکہ عام لوگ دیکھ لیں۔ نماز کا وقت قریب ہوا۔ بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ شکست خوردہ مسلمان مفروزین کی عام معافی کا حکم نازل ہوا۔ "ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان" الخ

ابو سفیان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ بلند آواز سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور مشہور صحابہ کے نام لے لے کر پکارنے لگا۔ زعم خام میں یہ سمائی تھی۔ کہ سب شہید ہو چکے ہیں۔ للکارا اور پکارا کہ یہ جنگ بدر

کا جواب ہے اور سال مستقبل کے لئے نئے جنگ کا چیلنج ہے۔ آپ نے اصحابہ کو فرمایا کہ سنا دو "ھوا بینا وبینکم" ہم منظور کرتے ہیں تیار رہو۔

مشرکین نے اس جنگ میں مسلمان لاشوں کی بے حرمتی کی۔ چنانچہ امیر حمزہؓ عم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو "مثلہ" کر دیا۔ ہندہ زوجہ ابی سفیان نے پیٹ چاک کر کے جگر نکال کر چبایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حالت دیکھ کر رنجیدہ ہوئے۔ جب اس کی بہن صفیہ بنت عبدالمطلب کو لاش کی طرف آتے دیکھا تو اس کے بیٹے زبیر کو فرمایا اپنی ماں کو کہو ادھر نہ آئے۔ خیال یہ تھا کہ بھائی کی یہ حالت دیکھکر بے اختیار نہ ہو جائے۔ جب بیٹے نے منع کیا کہا میں سن چکی ہوں دشمن نے میرے بھائی کی لاش سے ناک کان کاٹ لئے۔ مگر خدا کے راستے میں یہ کوئی بڑی چیز نہیں۔ یہ اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ بھائی کے پاس آئی۔ استرجاعت کی۔ نماز جنازہ پڑھی پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دفن کا حکم فرمایا۔

یہ صبر ان انسانوں کے لئے سبق آموز ہے۔ جن کے عزائم بشری کی کمزوری برداشت نہیں کر سکتی یا حدود صبر سے اس وجہ باہر ہو جاتے ہیں کہ قلت ذرائع علم کے باعث اجر صبر سے بے خبر ہوتے

ہیں۔ ایسے ہی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا زخموں سے لہولہان ہوتے ہوئے میدان جنگ میں تلواروں اور تیر و سنان کے سائے تلے باجماعت نماز ادا کرنا اس امر کے لئے درس ہدایت ہے۔ کہ نماز کتنی ضروری چیز ہے۔ اہل تکاثر کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے زیادہ بہرہ اندوز ہو کر بھی درگاہ رب العزت میں سر نہیں جھکاتے "فاعتبروا یا اولی الالباب" میدان احد میں جب مسلمانوں کے دوبارہ قدم جمے دشمنِ بھاگ نکلا حمراء الاسد تک پیچھا کیا گیا۔ مگر دشمن کو لوٹ کر مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی آپ تین دن وہاں قیام کر کے لوٹے۔

اس قوم سے زیادہ بدبخت کون ہوگا۔ جن پہ یہ زبوں حالی چھائی ہو۔ کہ روز نا نہ شکست پر شکست ہے۔ کثرت قلت کے ہاتھوں مار کھا رہی ہے۔ بے سرو سامانی سرو سامان کو ملیا میٹ کر رہی ہے۔ ضعف نے طاقت کی کمر توڑ دی ہے۔ وہ مشرک جو اپنے میں نفوس بشریہ سے بالا قوت اور شان و شوکت کے گمان میں مبتلا تھے۔ قوت بازو کا گھمنڈ تھا۔ اس جند من جنود اللہ" کے ہاتھوں جن کو حقیر و فقیر جانتے تھے ان کو نظر میں نہ لاتے تھے۔ ذلیل و خوار ہیں۔ "ہم بیکیدون کیدا و اکید کیدا"

جو تجویز بھی کرتے ہیں سب میں ناکام اور بے مرام۔ کوئی بن نہیں آتی۔

یہ مشرک اب ایسے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے۔ جو دنیا کی کسی تہذیب میں نظر وقار و اعتبار سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ کذب و دروغ خیانت و غداری کا نیا طریق سوچا۔ ۳ھ ہجری ماہ صفر کے ختم ہونے پر چند آدمی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ عرض کی۔ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔ کچھ آدمی بھیجو جو قبائل میں احکام دین متین سمجھائیں اور ذہن نشین کرائیں۔ چھ آدمی ہمراہ ہوئے جب عسفان کے قریب پہنچے۔ کچھ قتل کر دیئے گئے۔ باقی پکڑ کر مکہ لے گئے۔ وہاں طرح طرح کی تعذیب شدید عذاب الیم دے دے کر مار ڈالا۔ ایسے ہی ابو براء عامر بن مالک نے درخواست کی کہ نجد کی طرف مسلمانوں کی ایک جماعت تبلیغ اسلام و تبلیغ احکام کے لئے بھیجیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو تردد ہوا۔ ابوالبراء نے کہا۔ میری پناہ میں ہونگے تیں چالیس آدمی بھیجے گئے۔ سب کو قتل کر دیا گیا۔

غزوہ بنی النضیر قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل ہو چکے تھے۔ خونبہا کا کچھ حصہ معاہدہ کے مطابق

یہود بنی نضیر کے ذمہ تھا۔ آپ اُس کے مطالبہ کے لئے خود ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ظاہراً خونبہا ادا کرنیکا اقرار کیا۔ در پردہ تجویز یہ ٹھیری۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالا جاوے۔ آپ ایک دیوار کے سایہ میں کھڑے تھے۔ ایک آدمی مکان کی چھت پر چڑھا۔ ایک بڑا پتھر چھت پر سے گرا کر مارنا ہی چاہتا تھا کہ اللہ نے وحی کے ذریعہ اطلاع دے دی۔ وہاں سے فوراً ہٹ گئے۔ واپس تشریف لائے۔

بنو نضیر کو قریش مکہ کے پیغام شروع ہجرت سے متواتر پہنچ رہے تھے۔ کہ تم مسلمانوں سے لڑو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ عبداللہ بن ابی بھی بنو نضیر کو ابھار رہا تھا۔ کہ بنو قریظہ تمہاری امداد کریں گے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بنو قریظہ کے پاس گئے تجدید معاہدہ کو کہا۔ انہوں نے تعمیل کی۔ بنو نضیر قلعہ بند ہو گئے ہفتہ عشرہ محاصرہ رہا۔ قلعہ کے ارد گرد کے تمام درخت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کٹوا دئے جنہیں وہ لوگ کمینگاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ کوئی مدد کو نہ پہنچا۔

آخر بنو نضیر نے صلح کی اس شرط کو خوشی سے منظور کیا۔ کہ ہمیں چھوڑ دیا جاوے۔ جو اسباب اپنا اٹھا سکیں اُس کے

اٹھانے کی اجازت دی جاوے اپنے گھر بار چھوڑ کر چلے جاویں گے۔

مؤرخین لکھتے ہیں جب وہ مدینہ چھوڑ اونٹوں پر سامان لاد خیبر کی طرف چلے عجیب نظارہ تھا۔ عورتیں مطربہ دفیں بجاتی گیت گاتی آگے آگے خاص شان سے جا رہی تھیں۔ جلا وطنی تھی مگر اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کی سواری آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ ہتھیاروں کا ذخیرہ جو چھوڑ گئے پچاس زرہیں پچاس خود تین سو چالیس تلواریں تھیں۔ ان کے علاوہ اور بہتا سامان تھا۔

یہ جھگڑا بھی پیدا ہوا کہ انصار کی اولاد میں سے جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ یہودی اتحاد مذہب کے باعث ان کو اپنے ساتھ لئے جا رہے تھے۔ انصار نے کہا ہم انہیں نہیں جانے دیں گے۔ "لا اکراہ فی الدین" دین میں جبر نہیں ہے کی آیت نازل ہوئی۔ سب نے سر جھکا لیا۔ کوئی بھی کسی کا مزاحم نہ ہوا۔

اس کے بعد غزوہ ذات الرقاع غزوہ بدر الموعد غزوہ دومۃ الجندل کے واقعات پیش آئے۔ مگر جنگ تک نوبت نہ پہنچی۔

غزوہ خندق

کچھ یہود مکہ میں داخل ہوئے جماعت بندی شروع کی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنیکی تحریک کو ابھارا۔ مشرکین مکہ پہلے بھی چاہتے تھے سب نے ہاں سے ہاں ملائی۔ مالی اور شخصی امداد میں ہر ایک نے مسابقت کا دم بھرا۔ ابوسفیان کی قیادت میں دس ہزار کا لشکر تیار ہوا۔ بنی کنانہ اور دوسرے قبائل بھی ہمراہ ہوئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم ہوا۔ مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی تجویز ٹھہری۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے خندق کی کھدائی میں حصہ لیا۔ حملہ آور دشمن کا لشکر خندق کی بیرونی طرف خیمہ زن ہوا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی مسلمانوں کیساتھ شہر سے نکل کر خندق کی اندرونی طرف تشریف لے آئے۔ یہود بنی قریظہ نے غداری کی۔ معاہدہ کے خلاف دشمن سے جا ملے۔ معاملہ سخت پیچیدہ ہوا۔ مسلمان ہر طرف سے گھر گئے۔ مہینہ بھر محاصرہ رہا۔ سخت تشویش کی حالت تھی۔ کہ ایک شخص نعیم بن مسعود بن عمار آیا۔ کہا یا رسول اللہ میں اسلام لا چکا ہوں۔ میری قوم اس سے بے خبر ہے۔ مجھے آپ کوئی خدمت فرما دیں جو اسلام اور اسلامیوں

کیلئے بہتر ہو. آپ نے فرمایا. تو اکیلا آدمی ہے. کیا کرے گا. ہاں
کوئی چال چل جس سے دشمن کو مات ہو. "الحرب خدعتہ"
وُہ سوچتا ہوُا وہاں سے نکلا بنی قریظہ کے پاس پہنچا. ان سے
اچھا رسوخ تھا. کہا اگر مکہ والے محاصرہ چھوڑ کر چلے جاویں.
تم اکیلے کیا کرو گے. کیا اتنی طاقت ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ
وسلم کا مقابلہ کر سکو. بہتر ہے تم اہل مکہ کے بیٹے یا چند چیدہ
چیدہ آدمی اپنے پاس رکھو تا کہ کوئی سخت موقع آئے تو ان کو
چھوڑ کر وہ بھاگ نہ سکیں. یہ بات انہیں بہت پسند آئی.

اب وہاں سے ابی سفیان قائد مشرکین مکہ کے پاس آیا.
کہا بنو قریظہ تو اپنی عہد شکنی پر نادم ہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم
سے نامہ و پیام کر رہے ہیں ان سے یہ بھی وعدہ کر چکے ہیں.
کہ قریش مکہ کے لڑکے بطور رہن آپ کو دیتے ہیں جو ہماری
راستی کی ضمانت ہونگے. وہاں سے چل کر بنی غطفان کو بھی
یہی کہا جو ابوسفیان کے حلیف تھے.

قوم میں گڑبڑ مچ گئی. کشیدگی اور اختلاف پیدا ہوُا. غطفان
اور ابوسفیان نے بنی قریظہ کو کہا کہ ہم زیادہ عرصہ ٹھہر نہیں سکتے
کل رات حملہ کر دو. بنی قریظہ نے جواب دیا. کل "لیلۃ السبت"

ہے۔ ہم حملہ نہیں کر سکتے۔ دوسرے حملہ اس شرط پر کریں گے کہ اپنے بیٹے ہمارے پاس بھیج دو۔ مشرکین مکہ کو ابونعیم کی بات کا یقین ہوا۔ ابوسفیان نے جواب میں لکھا۔ ہم بیٹے تمہارے سپرد کرنیکو تیار نہیں۔ لڑنا چاہتے ہو تو حملہ کرو۔ بنو قریظہ بھی جان گئے کہ ابونعیم کا کہنا سچ تھا۔ جنگ سے انکار کر دیا۔ یہ تخالف اور کشاکش پیدا ہو چکی تھی۔ کہ اللہ نے قریش و غطفان پر طوفانِ باد مسلط فرمایا ایسی زود کی آندھی چلی۔ ہانڈیاں اور دیگیں چولہوں سے دُور جا پڑیں قیام گاہیں بیخ و بن سے اکھڑ گئیں۔ خیموں کی رسیاں ٹوٹ کر خیمے ہوا میں چکر کھانے لگے۔ چوبیں پرندوں کی طرح اُڑ رہی تھیں دشمن کو بھاگنے کی سوجھی۔ صبح ہوتے مسلمانوں نے دیکھا دشمن کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا تھا۔

اب بنی قریظہ اکیلے رہ گئے۔ نماز ظہر ادا کرنیکے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ کے پاس جا پڑھنی ہے۔ حضرت علیؓ کو "علم" دیا گیا۔ جب حملہ ہوا بنی قریظہ قلعہ بند ہو گئے پندرہ بیس روز محاصرہ رہا۔ آخر پکڑے گئے۔ قتل ہوئے۔ تمام مال و اسباب بطور غنیمت تقسیم ہوا۔ اس حملہ میں چھتیس ۳۶ مسلمان سوار تھے۔

غزوہ غابہ و ذی قرد

یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سانڈنیوں کی چراگاہ تھی۔ قبیلہ غطفان کے چند آدمیوں نے ابن عینیہ کی قیادت میں وہاں ڈاکہ مارا۔ اور بیس اونٹنیاں پکڑ کرلے گئے۔ ابو ذر غفاری کا بیٹا جو اونٹنیوں کا محافظ تھا۔ قتل کر دیا گیا۔ اس کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ تعاقب کیا گیا۔ دروں میں چھپ گئے۔ عینیہ بن حصن جو قبائل غطفان کا سپہ سالار تھا۔ وہ ان کا امدادی ہوا اسلمہ بن اکوع کو جب ان کی غارتگری کا علم ہوا۔ تعاقب کر کے غارتگروں کو جالیا۔ اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے۔ سلمہ نے تیر برسانے شروع کئے۔ وہ بھاگ گئے۔ سلمہ اور اس کے ساتھی لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیاں چھڑا لائے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے۔ ذو قرد ایک پانی کا چشمہ یا کنواں تھا وہاں قیام فرمایا۔ لائی ہوئی اونٹنیوں میں سے ایک ذبح کی پھر مدینہ کو لوٹے۔

"غزوہ بنی مصطلق"

شعبان ۵ھ ہجری تک آپ مدینہ ٹھہرے۔ بعد میں معلوم ہوا۔ کہ بنی مصطلق نے آپ کے خلاف اجتماع کیا ہوا ہے۔ ان کا سالار عسکرام المؤمنین جویریہ کا باپ حارث بن ضرار ہے۔ ان کا پیچھا

گیا۔ ایک پانی کا چشمہ تھا۔ یا کنواں جسے مریسیع کہتے تھے۔ وہاں انہیں پالیا وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔

صلح حدیبیہ ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری عمرہ کی نیت سے مدینہ سے چلے۔ قربانی کے جانور روانہ کر دئے۔ مدینہ ہی سے احترام باندھ لیا تاکہ عوام الناس کو علم ہو جائے۔ جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ بہت لوگ ہمراہ ہوئے۔ قریش مکہ کو بھی روانگی کا علم ہو گیا۔ اجتماع عام میں فیصلہ کیا۔ حرم شریف میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ لڑنا پڑا تو پیچھے نہ ہٹیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ پہنچے شہر سے باہر ایک مقام پر سانڈنی خود بخود بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا یہ اڑ گئی (علت کر گئی) فرمایا علت نہیں اور نہ یہ اسکی عادت ہے۔ اس خدا نے روکا جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی زمام وعنان ہے۔ قریش مکہ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مابین پیام رسان آنے جانے لگے۔

تصفیہ ہو گیا۔ شرائط صلح یہ قرار پائیں۔ (۱) اب کے یہیں سے آپ واپس چلے جائیں (۲) آئندہ سال غیر مسلح تلواریں نیام میں رکھے آویں۔ اور تین روز سے زیادہ یہاں نہ ٹھیریں۔ (۳) صلح کی میعاد اور پابندی شرائط دس سال تک ہو (۴) اس

دوران میں کوئی کافر اسلام قبول کر کے مسلمانوں سے جا ملے یا مدینہ چلا جاوے۔ بلا عذر و بے تامل واپس کافروں کے حوالہ کیا جاوے۔
(۵) کوئی مسلمان مرتد ہو کر کفار میں آملے اُسے واپس نہ کیا جاوے۔
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ شرائط منظور فرمالیں لوگ حیران تھے۔ کہتے یا اللہ کیا معاملہ ہے۔ اس سے بڑھ کر ہیں شکست فاش اور کیا ہو گی۔ بعض کہتے اسمیں صریحاً ہماری توہین اور ہتک ہے مگر عقل ناقص ظہور امور غائب وکشف اسرار الٰہی سے تاریکی میں تھی۔ اشراقِ حقائق باطن سے خاص ذہن روشنی پاتے ہیں۔ سطح بین نگاہیں ہمیشہ اُس سے محروم رہتی ہیں۔
معاہدہ لکھا گیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ کفار نے "رسول اللہ" بھی نہ لکھنے دیا۔ ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ اسلام کا پروانہ ابوجندل بن سہیل پا بزنجیر رشتہ داروں سے بھاگ کر اسلام کے لئے خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے سمجھایا کہ تیرے لئے اللہ اسمیں بہتری کرے گا۔ اور اسے اس کے باپ کے حوالے کر دیا۔ یہ بات کمزور طبع مسلمانوں کو اتنی ناگوار ہوئی کہ بعض اپنی طبعی کمزوری اور نظری سینہ زوری کے سبب احرام کھولنے اور تحلیق و نحر کی متابعت میں بھی متامل ہوئے۔

مگر فوراً بعد متابعت کی۔ آپ وہیں سے مدینے لوٹے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اتنی بڑی فتح کبھی نہیں ہوئی تھی۔ سطح بین نظر کچھ اور دیکھتی ہے۔ تہ رسا اور دور رس نظر کو کچھ اور دکھائی دیتا ہے۔ چشم نبوت جس شکار کو دیکھ رہی تھی عوام اس سے اعمی تھے۔ قبل ازیں قوموں کے جنگ و جدال باہمی میل ملاقات کے لئے سد سکندر تھے۔ امن عام ہو گیا۔ صلح نے آمد و رفت کے راستے کھول دیئے۔ اہل مکہ مدینہ تجارت کے لئے آتے۔ مسلمانوں کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے۔ مسلمانوں کا زہد۔ تقویٰ۔ عادات حسنہ ان کے دل میں اثر کرتے۔ اسلام کی خوبیاں کفر کی برائیاں اجاگر ہونے لگیں۔ مدنی مسلمانوں کو اب مکہ جانے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے دورانی عرصہ میں جسقدر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اسکی گنتی اس تعداد سے کئی گنا زیادہ تھی جو کہ دعوئے نبوت اور صلح حدیبیہ کے عرصۂ طویل میں دائرہ اسلام میں آئے۔

اصحابہ کرام کو سب سے ناگوار یہ شرط نظر آ رہی تھی کہ جو کافر اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں آ ملے اسے واپس کر دیا جاوے اور مسلم مرتد کا اپنے میں شامل کر لیں۔ اور مشرکین مکہ معاہدہ

کی اس شرط پر اتراتے تھے۔ نازاں تھے۔ مگر اس سے بے خبر کہ یہ شرط ان کے لئے چنداں مفید نہیں۔ بلکہ مارِ آستین ہے۔ کافر مسلمان ہو کر مدینہ بھاگ جاتا ہے۔ معاہدہ کے ماتحت وہ واپس کر دیں گے۔ اسلام کی محبت اُس کے دل سے زائل نہیں ہو سکتی۔ وہ آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ کہ جس نے ایک دفعہ اسلام قبولا۔ دنیا کی کسی نعمت کا طمع اور لالچ اُسے اُس سے ہٹا سکتا ہے۔ نہ تعذیب و تالیم اسلام چھڑا سکتے ہیں۔ قید و بند کے عذاب اور تپتی ریگ پر ننگے بدن پڑے رہنے کی تکلیف کو اتنا بھی محسوس نہیں کرتے۔ جتنا کہ مصری عورتوں کو یوسف کنعانی کے مشاہدۂ جمال کے وقت اپنے ہاتھ کاٹنے سے ہوا ہو۔ پھر اس سے کیا ڈر کہ دوران معاہدہ مسلمانوں کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکنے۔ جتنی آگ دبے گی اتنی زور سے بھڑکے گی۔

رہا مرتد کے عدم ارتداد کی شرط یہ بھی مسلمانوں کے لئے مضر نہ تھی۔ اسلام کے بعد ارتداد کی صورت ہی پیش نہیں آتی تھی، اگر شاذ و نادر ہو بھی جاوے تو مرتد کا کفار میں جا کر رہنا ہی مفید ہے۔ اسلام کو اس کے قید و بند کی ضرورت نہیں۔ وہ انہی میں رہ کر اسلام کی تصویر پہ جتنے داغ لگا کر پیش کرے گا۔ اس کے

خط وخال اور بھڑکیں گے۔ لوگوں میں جستجو کا شوق پیدا ہوگا۔ وہ اسلام کی طرف مائل ہونگے۔ کم از کم اصولوں کو معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔

عرب و عجم کے بادشاہوں کی طرف قاصد

اب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم کے بادشاہوں کے پاس قاصد بھیجنے شروع کئے۔ چونکہ اس صلح سے اطمینان اور ایک قسم کا امن پیدا ہوگیا تھا۔

یمامہ میں: سلیط بن عمر کو: ایران میں خسرو پرویز کے پاس: عبداللہ بن حذافہ سہمی کو بحرین میں: العلاء بن حضرمی کو: عزیز مصر کے پاس اسکندریہ میں: حاطب بن ابی بلتعہ کو عمان میں: عمر بن عاصی کو: نجاشی بادشاہ حبش کے پاس: عمرو بن امیہ ضمیری کو

جب کسریٰ کو پیغام پہنچا۔ کبر و غرور سے بدمست نے پڑھ کر پرزہ پرزہ کر دیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی فرمایا۔ "اللھم مزق ملکہ کل ممزق" اے اللہ اس کے ملک کو بھی ایسے ہی پارہ پارہ کر دے۔ بیخ و بن سے اکھاڑ دے۔ تیرے رسول نے تیرا پیغام بھیجا اس نے اسکی توہین کی۔ چنانچہ جیسا آپ نے فرمایا ویسا ہی ہوا۔

کسریٰ نے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا پیغام پرزہ پرزہ

کرنے پر اکتفا نہ کی بلکہ اسی وقت یمن کے حاکم "باذان" کو لکھا کہ دو ہوشیار آدمی بھیج جو "محمد" صلے اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لائیں اور میرے پیش کریں. باذان نے تعمیل حکم کی. قہرمانہ اور ایک دوسرے آدمی کو بھیجا. جب دونوں مدینہ پاک گئے. اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع دی کہ انہیں کہو تم جاؤ تمہارے بادشاہ کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے فلاں مہینے کی فلاں "تاریخ" قتل کر دیا ہے۔ اور باذان کو یہ بھی کہ دو کہ اسلام جو خدا کا دین ہے. تمہارے تمام ملک پر چھا جائیگا اور سلطنت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے گی۔

فتح خیبر

اس سے فارغ ہو کر آپ نے خیبر کا رُخ کیا۔ خیبر عبرانی زبان میں قلعہ کو کہتے ہیں وہاں بڑی تعداد مضبوط قلعے تھے. قبیلہ غطفان کا بھی خیبر والوں سے باہمی امداد کا معاہدہ تھا. مگر ان کے دلوں پر کچھ ایسا رعب چھایا. امداد کی جرأت نہ کر سکے. ایک ایک کر کے سب فتح کر لئے گئے. قلعے تعداد میں چھ تھے. یہاں کا ایک بڑا پہلوان مرحب تھا جس کو اپنی قوت کا بڑا گھمنڈ تھا. لوگ اس کی طاقت کو ہزار آدمی کی طاقت کے برابر جانتے تھے. جب میدان میں نکلا حضرت علیؓ

نے تلوار کی ایک ہی ایسی ضرب لگائی کہ تلوار خود کو کاٹتی ہوئی سر سے پار ہوئی مرحب جب میدان میں نکلا یہ شعر پڑھتا ہوا نکلا
"قد علمت خیبر انی مرحب" شاکی السلاح بطل مجرب"
ترجمہ خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ تجربہ کار بہادر ہوں اور مسلح ہوں۔ جب حضرت علیؓ سامنے آئے۔ آپ نے یہ رجز پڑھا۔ "انا الذی سمتنی امی حیدرہ۔ کلیث غابات کریہ المنظرہ" ترجمہ میرا نام ماں نے شیر رکھا ہے۔ میرا نظارہ جنگل کے شیروں کی طرح ہیبت ناک اور ڈراونا ہے کہتے ہیں کہ اس زور سے تلوار لگائی اس کا آواز دور لشکر تک سنائی دیا۔

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ لیکن یہود کی درخواست پر کہ زمین ہمارے پاس رہنے دو زمین کی پیداوار کا نصف حصہ بطور بٹائی ہم دے دینگے۔ واپس انہیں دے دی گئی۔ جب بٹائی کا وقت آتا حضور صلے اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن رواحہ کو بھیجتے وہ غلہ کے دو حصے کر دیتے اور یہود کو کہتے جونسا حصہ چاہتے ہو لے لو۔

خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی نصف کی آمد

بیت المال پر صرف ہوتی اور نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ میں شریک تھے تقسیم ہوئی۔ اس جنگ میں ایک یہودیہ عورت زینب بنت حارث زوجہ سلام نے بڑے اصرار سے آپ کی دعوت کی۔ بکری کا گوشت بھون کر پیش کیا۔ آپ بھونے ہوئے گوشت کو بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔ ایک ٹکڑا چبایا اور پھینک دیا۔ فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں زہر ملی ہوئی ہے۔ بشر بن براؓ نے بھی کھایا تھا وہ تیسرے دن فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ زینب نے اعتراف جرم کیا۔ بشر کے ورثا کے سپرد کی گئی۔ قصاص دم میں قتل کر دی گئی۔

اسی دوران میں مہاجرین حبشہ واپس آئے۔ ان میں جعفر بن ابی طالبؓ بھی تھے۔ اور وہی دن اتفاق سے فتح خیبر کا تھا۔ آپ نے جعفر کے ناصیہ پر بوسہ دیا اور فرمایا۔ میں کیا کہوں آج مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنیکی فرحت و مسرت زیادہ ہے۔

غزوہ وادی القریٰ اور فدک

خیبر کے بعد اہل فدک کا معاملہ پیش آیا۔ انہوں نے فوراً امان مانگ لی۔ سب مال و اسباب چھوڑ دینے کا وعدہ کیا۔ درخواست منظور ہوئی۔ بحکم "لم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب"

بغیر جنگ و جدال صلح ہوئی تھی تمام مال و اسباب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص رہا۔ آپ حکم الٰہی کے مطابق مصرف میں لائے۔ پھر وادی القریٰ کو لشکر کشی سے فتح کیا۔ وہ سارا مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہوا۔

آپ فتح خیبر کے بعد شوال ۷ھ ہجری تک مدینہ منورہ قیام فرما رہے۔ ذیقعدہ میں عمرہ معہودہ مطابق صلح حدیبیہ کی ادائیگی کے لئے تیار ہوئے۔ بہت لوگ ہمراہ ہوئے۔ مکہ پہنچے وہاں کے بہت سے رؤسا پہلے ہی شہر چھوڑ کر اسلئے پہاڑوں میں جا ٹھہرے تھے کہ وہ ازلی بدبخت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ آپ نے عمرہ ادا کیا۔ تین روز قیام فرما کر واپس مدینہ چلے آئے۔ زاں بعد جمادی الاول ۸ھ ہجری تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔

غزوہ موتہ (موتہ شام میں ایک مقام ہے)

اب آپ نے ملک شام کی طرف لشکر کشی کی۔ افراد لشکر تین ہزار کی گنتی میں تھے۔ سر سالار اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو بنایا ساتھ ہی ہدایت کی کہ اگر ان پر قضا آجاوے تو جعفر بن ابی طالب علم لے لیویں ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ پھر مسلمانوں کو اپنی

رضامندی سے انتخاب کرنیکا اختیار ہے۔ لوگ حیران تھے۔ کہ جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ کی موجودگی میں ایک غلام کو سرداری کی وقعت کیوں دی گئی ہے۔ مگر "رموز سلطنت را خسرواں دانند" اللہ کی حکمتیں اس کے رسول پر روشن ہوتی ہیں نبی اللہ کے اشارے پہ کام کرتا ہے۔

اس غزوہ میں مہاجرو انصار کے درمیان شجاعت کا امتیاز نہ رہا۔ ہر ایک نے پوری جرأت اور دلیری کا نقشہ پیش کیا۔ زندگی کی خواہش نہیں موت سے ڈر نہیں۔ اللہ کی شان نظر کے سامنے ہے۔ دین کو پورا کر دکھایا۔ کسی امر میں بھی پھوٹ اور اختلاف کو آنے نہیں دیا۔

جب لشکر شام کے علاقہ شہر معان میں پہنچا۔ اطلاع ملی کہ روم کا بادشاہ ہرقل بھی ایک لاکھ فوج ہمراہ لیکر آرہا ہے۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ اسکی فوج دو لاکھ تھی۔ ایک لاکھ رومی سپاہی اور ایک لاکھ نصارئی عرب قبائل لخم و جذام سے تھے۔ مسلمان معان میں دو دن رات مشورہ کے لئے رکے رہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت فوج دشمن کی اطلاع دیں اور امداد یا حکم نبوی کی انتظار کریں۔ عبداللہ بن رواحہ نے اٹھ کر کہا۔ انتظار کس امر

ہیں۔ تم شہادت کی تلاش میں گھر سے نکلے ہو۔ ہم دشمن کا مقابلہ گنتی یا طاقت سے نہیں کرتے۔ اس دین متین کے بل بوتے پہ لڑتے ہیں جو دین کہ ہماری عزت وتوقیر کا موجب ہے۔ انہیں کثرت فوج کا گھمنڈ ہے۔ ہمیں خدا پر بھروسہ ہے۔ بلے انتظار کئے چل پڑے۔ ہرقل کی افواج کثیرہ سے مقابلہ ہوا۔ فوجوں کے دستے مرتب کئے میمنہ میسرہ کی تعیین ہوئی۔ دو لاکھ اور تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا۔ زید بن حارث میدان میں جاتے ہی سینہ میں نیزہ کا زخم کھانے سے شہید ہوئے۔ علم فوراً جعفر بن ابی طالب نے لے لیا۔ اپنے گھوڑے سے اتر کر خود گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں تا کہ فرار کا خیال ہی دل سے نکل جائے۔ پیدل لڑنے لگے۔ خوب مقابلہ کیا۔ دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ وہ بھی کٹ گیا۔ بیہوش ہوکر زمین پہ گر پڑے۔ عبداللہ بن عمر کا بیان ہے میں نے لاش دیکھی جسم پر تلوار وسنان کے نوّے زخم تھے۔ جھنڈا عبداللہ بن رواحہ نے پکڑ لیا۔ کچھ تأمل کیا اور یکبارگی دشمن پر کود پڑے بہتوں کو مارا۔ خود شہید ہوئے۔ ثابت بن اقرم نے جو بنی عجلان سے تھا، فوراً علم پکڑ کر خالد بن ولید کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے مسلمانوں کو اکٹھا کر لیا۔ اور دشمن کی فوج کثیر سے بچ کر نکل آئے۔

دس آدمی شہید ہوئے۔ جب مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے اس فرار کو ناپسند کیا۔ اکثر نے طعن و تشنیع کی کہ تم بھگوڑے ہو اللہ کے راستہ سے جان بچا کر بھاگ آئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ فرار شکست نہیں بلکہ نئے حملہ کی تیاری کا فرار ہے۔ اور ایسا کرنا چاہئیے۔

ان جنگوں میں اب عرب ایسے مشغول ہوئے کہ باہمی تنازعات سب بھول گئے تھے۔ ہر وقت ان جنگوں کی تیاری رہتی۔ جن میں مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی ہو۔ صلح حدیبیہ نے ان سے بھی فارغ کر دیا۔ بالکل امن تھا۔ لیکن صلح حدیبیہ میں بنی خزاعہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے تھے اور بنو بکر قریش کے ساتھ مل کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حریف بن گئے تھے اور بنو بکر کا خون بنی خزاعہ کے ذمہ تھا۔ انتقام لینے کی ٹھانی۔

خدا شرے بر انگیزد کہ خیرے مادراں باشد۔ خدا نے چاہا کہ اس ظلم قدیم کو فتح جدید کا سبب بنادے۔ بنی بکر کا ایک آدمی اٹھا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں چند شعر کہے۔ بنی خزاعہ کا کوئی آدمی سن رہا تھا۔ بنو بکری کو مار کر زخمی کر دیا۔ شر کی آگ بھڑک اٹھی۔ معاہدہ کی پرواہ نہ کی۔ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔

ان کے چند آدمی مارے گئے۔ استغاثہ لے کر مدینہ پہنچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو افسوس ہوا۔ ان کی چیخ و پکار قبول ہوئی۔ استغاثہ سن کر فرمایا۔ ابوسفیان تجدید معاہدہ کے لئے یہاں آئے گا تجدید کیساتھ اضافہ میعاد معاہدہ کا بھی خواستگار ہوگا۔ مگر بے نیل و مرام واپس لوٹے گا۔ قریش اپنے اس فعل پر نادم و پشیمان ہونگے اور یہی امر فتح مکہ کا باعث ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ابوسفیان تاکید و تجدید معاہدہ و ایزاد مدت کے لئے مدینے آیا ایک بھی نہ مانی گئی۔ ابوبکرؓ۔ علیؓ۔ عمرؓ ایک ایک سے دربار نبوی میں سفارش کے لئے درخواست کی۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اتنے قرب کے کوئی عرض کر سکے۔ آپ کے چہرے کی سرخی اور خشم آلود نگاہیں دیکھ چکے تھے۔ فاطمۃ الزہرا کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا امام حسنؑ جو ابھی بچہ تھے صرف اتنا فرما دیں میں نے فیصلہ کر دیا معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ فاطمہ فرمانے لگیں بچوں کا ایسے معاملہ میں کیا کام۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا لوگو میں مکے جانے والا ہوں تم بھی تیار ہو جاؤ۔ اللہ سے دعا مانگی کہ کوئی خبر کفار تک پہنچنے نہ پائے۔ حاطب بن بلتعہ ایک صحابی نے قریش مکہ کو کسی جانے والی عورت کے ہاتھ رقعہ لکھ بھیجا جسمیں

بتایا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ غالباً اس کے اہل وعیال وہاں تھے ان کی حفاظت کے لئے قریش پر احسان کرنا چاہتا تھا۔ آپ کو بذریعہ وحی قاصدہ اور خط کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے علیؓ۔ زبیرؓ۔ مقدادؓ کو اس کی جستجو میں دوڑایا۔ راستے میں جالیا۔ تلاشی لینے پر سر کے بالوں سے رقعہ برآمد ہوُا۔

تمام لوگوں کو حاطب کے افشائے راز پر تعجب ہوُا حضرت عمرؓ تو یہاں تک بیتاب ہوئے کہ حضرت سے اجازت چاہی حکم ہو اسکی گردن اڑادوں مگر جبین رحمت پر شکن بھی نہ آیا۔ حضرت عمرؓ کو سرزنش کی۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہ دیا ہو کہ تم سے مواخذہ نہیں ہے۔

۱۰ر رمضان مبارک ۸ھ ہجری دس ہزار نفوس کی ہمراہی میں کوکبۂ نبوی نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا۔ قبائل سلیمؓ۔ غفارؓ۔ مزینؓ اور قریش کے مختلف گروہ بنو اسد بنو تمیم وغیرہ ہمراہ ہوئے۔ مدینہ سے روانہ ہونے والوں کے علاوہ راستہ میں بہت قبائل آکر شریک سفر وجہاد ہوئے۔ آپ نے دعا مانگی تھی اللّٰھم قریش کو ہماری اطلاع نہ ہو۔ چنانچہ مکہ سے باہر ایک منزل مرالظہران مقام پر لشکر نے

پڑاؤ ڈالا قریش کے کانوں میں فوج کی آمد کی بھنک پڑ چکی تھی۔ جستجو میں تھے۔ حضرت عباسؓ کے دل میں تھا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک حملہ کر دیا تو قریش ہلاک ہو جاویں گے۔ اور ہمیشہ کے لئے روئے زمین سے مٹ جاویں گے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہو کر ان کی جستجو میں گئے۔ تاکہ اگر کوئی مل جاوے اوّل ان کے حالات سے آگاہی ہو گی۔ دوسرے انہیں سمجھایا جائے وہ آ کر معافی مانگ لیں۔ صلاحیت ہو جاوے گی۔ ایک جگہ پہنچے تو ابو سفیانؓ بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام کی باتوں کا آواز کان میں آیا۔ لشکر کی آگ روشن دیکھکر بدیل نے کہا بنو خزاعہ کی آگ ہے۔ ابو سفیان بولا اگر فی الواقع بنو خزاعہ کی آگ ہے تو وہ بڑے ذلیل ہیں۔ حضرت عباس بول اٹھے۔ یہ تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جو دس ہزار سے زیادہ آراستہ اور مسلح لشکر کیساتھ تمہارے لئے آئے ہیں۔ ابو سفیان بولا مجھے بتاؤ کیا کریں۔ حضرت عباس نے فرمایا میرے پیچھے سوار ہو جاؤ۔ میں تمہیں حضور سے امان لے دیتا ہوں۔ اگر ایسا نہ کیا تو فتح مکہ کے بعد تیری گردن اڑا دی جاوے گی۔ ابو سفیان ساتھ سوار ہو گئے۔ قیام گاہ لشکر میں داخل ہوئے۔ حضرت عمر کی نظر پڑی

بولے خدا کا شکر ہے کہ آج یہ ہمارے قبضہ میں آیا۔ اب معاہدہ بھی نہیں رہا کہ امان پائے۔ حضرت عباس جلدی سے لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ پیچھے سے عمرؓ بھی گرجتے ہوئے شیر کی مانند غراتے ہوئے آئے کہا یا رسول اللہ یہ اللہ اور اُس کے رسول کا دشمن ابوسفیان ہے۔ آپ حکم دیں میں اسکی گردن ابھی اڑا دوں۔ حضرت عباس بولے وہ میری پناہ میں ہے۔ عمرؓ پھر جوش میں آئے تو حضرت عباس نے فرمایا اے عمر اگر وُہ تیرے خاندان بنی عدی سے ہوتا تو تمہیں ایسا جوش نہ آتا وہ چونکہ ہمارے خاندان عبد مناف سے ہے۔ تجھے اسکی موت کیوں ناگوار ہو۔ عمرؓ بولے اللہ کی قسم جس روز آپ ایمان لائے مجھے اتنی خوشی ہوئی اگر میرا باپ خطاب بھی ایمان لاتا تو مجھے ایسی خوشی نہ ہوتی۔ آپ کس طرح فرماتے ہیں کہ مجھے آپ کا یا آپ کے خاندان کا وقار نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو فرمایا اسے اس وقت اپنے ساتھ لے جاؤ۔ صبح لے آنا۔ جب صبح آئے۔ تو آپ نے فرمایا اے ابوسفیان کیا تجھے "لا الہ الا اللہ" پر ایمان نہیں ہے۔ عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ سے زیادہ کسی کو حلیم۔ جوّاد وکریم اور صلہ رحم کرنیوالا نہیں

پایا۔ میں جان گیا ہوں اور مانتا ہوں "لو کان معہٗ الہٗ غیرہٗ اغنی عنا" اگر کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہماری امداد کرتا۔ اسلئے یقین ہے کہ کوئی اور خدا نہیں ہے۔ پھر فرمایا تو نہیں جانتا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں" عرض کی اسمیں کچھ تامل اور خدشہ ہے۔ حضرت عباس نے فرمایا۔ "ویحلک اسلم" ابوسفیان مسلمان ہو گیا۔ حضرت عباسؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ابوسفیان فخر پسند آدمی ہے۔ اسے کوئی خاص امتیازی نشان عطا فرمادیں آپ نے فرمایا۔ "جو ابوسفیان کے گھر میں آگیا امن پالیا۔ جو بیت الحرام میں داخل ہوا وہ بھی امن میں ہوا جس نے اپنے سامنے دروازہ بند کر لیا (جنگ نہ کیا) امن میں ہوا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو پہاڑ کی بلندی پر کھڑا کرنے کو فرمایا تاکہ فوجیں یہاں سے گذریں اور وہ افواجِ ظفر امواجِ اسلام کی شان شوکت اور جنود اللہ کا نظارہ کرے۔ ایک ایک قبیلہ اپنے عساکر لیکر وہاں سے گذرا۔ یہاں تک کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری آئی۔ آپ کے ساتھ مہاجرین اور انصار تھے۔ جن کی تلواروں کی چمک دمک اور زرہوں کی بھڑک سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں ابوسفیان بولا یہ کون ہیں۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا۔ یہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم ہیں۔ مہاجرین و انصار ان کے ساتھ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا تمہارے بھتیجے نے بڑی شہنشاہیت پالی۔ کہا نہیں یہ تو "نبوت" ہے۔ ابوسفیان مکہ آیا۔ قوم کو خبر کی کہ اسلامی لشکر کس شان و شوکت سے آ رہا ہے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم بھی سنا دیا۔ جسمیں آپ نے فرمایا تھا۔ "جو ابی سفیان کے گھر داخل ہوا امن پا یا" الخ۔ اس مظاہرے کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فوج کو مرتب کیا۔ میمنہ پر خالد بن ولید مقرر ہوئے۔ میسرہ زبیر کے سپرد ہوا۔ مقدمۃ الجیش کی کمان ابو عبیدہ بن جراح نے لی۔ لشکر اپنی جائے قیام "ذی طوی" سے چل پڑا۔ مکہ میں داخل ہونے کا حکم دے دیا گیا۔ ساتھ ہی فرما دیا۔ جو تعرض نہ کرے اُسے کچھ نہ کہا جاوے۔ اکثر مکہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کچھ لڑنے پر آمادہ ہو گئے قتل ہوئے تین مسلمان شہید ہوئے۔ ۲۰ رمضان مبارک سنہ ہجری مکہ فتح ہوا۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ کعبہ کا طواف کیا۔ عثمان بن طلحہ سے کعبہ کی چابیاں لیں۔ پہلے عثمان کی ماں کلید کعبہ کے دینے سے انکاری ہوئی۔ جب مجبور ہوئی۔ دے دیں۔ آپ کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔ اسامہؓ بن زید۔ بلالؓ اور عثمان بن طلحہ

ساتھ داخل ہوئے۔ کعبہ کے اندر باہر کی تصاویر اور بتوں کے فوری توڑنے کا حکم دیا۔ بلال رضؓ کو فرمایا۔ اُس نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر بلند آواز سے آذان کہی۔

فتح مکہ کے دوسرے روز نبی صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ کے دروازہ پر ٹھیرے۔ قوم کو خطاب کیا۔ فرمایا "ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اور اپنے بندہ کی مدد کی۔ تمام جتھوں کو توڑ دیا۔ احزاب کو شکست فاش دی۔ خبردار تمام مفاخر۔ تمام انتقامات سب خونبہا میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنےٰ ہیں۔ فرمایا مکہ میں آج سے پہلے کسی جنگ کی حلت ہوئی نہ بعد میں ہوگی۔ صرف یہی ساعت میرے لئے جائز ہوئی پھر اسکی حرمت پہلے کی طرح ہے۔

اے قوم تمہارے آباؤ اجداد کی جاہلانہ عظمت اور احمقانہ نخوت رب نے سب مٹا دی۔ سارے کے سارے آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوا۔ پھر قرآن شریف کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"یاایھا النّاس انا خلقنٰکم من ذکرٍ وانثیٰ وجعلنٰکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ

اتقاکم ان اللّٰہ علیم خبیر" ترجمہ۔ لوگو تمہیں مرد اور عورت
کے ملاپ سے ہم نے پیدا کیا۔ شناخت ظاہری کے لئے مختلف قبائل
اور جماعتوں میں تقسیم کیا اور پھیلا دیا سب سے زیادہ قابل فخر و
احترام اور لائق عزت مدام صرف وہی ہے جس کے دل میں اللہ
کا خوف زیادہ ہو۔ اس امر کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

پھر فرمایا۔ اے قریش اے اہل مکہ۔ جانتے ہو اب میں تمہارے
ساتھ کیا سلوک کرونگا۔ آپ کی رأفت طبع۔ جبلّی لینت اور عفو
عام کو کون نہیں جانتا تھا۔ بے خوف و خطر بولے "اخ کریم
وابن اخ کریم" ہم جانتے ہیں تو ہمارے کریم بھائی کا کریم
بیٹا ہے۔ "درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست" فرمایا "لا
تثریب علیکم الیوم" "اذھبوا فانتم الطلقاء" جاؤ سب کے
سب آزاد ہو۔ تم پر آج کوئی الزام نہیں۔ جو لوگ اپنی مرضی سے
مسلمان ہوئے۔ ان کے لئے مقام صفا میں بیٹھے۔ مرد و عورت
سب نے اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا
معاہدہ کیا اور بیعت لی گئی۔

اس عفو عام نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کمال حلم۔ انتہائی
درجہ احسان اور اتم مراتب بخشش کو تمام عالم میں ضرب المثل

بنا دیا۔ کیونکہ دعوئے نبوت شا کے روز سے یوم فتح مکہ تک جسقدر مظالم۔ احسان فراموشی۔ جبر و تشدد۔ دل آزاری قریش مکہ سے ہو سکتی تھی کمی نہیں کی۔ اور آپ ظلم و ستم کا جواب لطف و کرم سے دیتے رہے۔ دل آزاری کا معاوضہ دلداری سے فرماتے رہے۔ جبر و تشدد کو رأفت و رحمت سے معاف کرتے رہے۔ آج مکہ کو اپنی پوری طاقت سے فتح کیا۔ چاہتے تو قریش مکہ کا بچہ بچہ تیغ کے گھاٹ اتار دیتے۔ عورتوں کو لونڈیاں بنالتے۔ مرد غلام کر لیئے جاتے۔ مگر نہیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جو دنیا کے کریم ترین اور امتہ کے شفیق بہترین اور خلاصۂ انسانیت تھے۔ آپ کے مقدس دل میں صرف اس چیز نے پرورش پائی تھی۔ کہ تباہ کار لوگوں کو تباہی اور گمراہی کی گہرائی سے نکالا جائے۔ گم کردہ راہ ہدائت کو قعر ضلالت سے بچایا جائے۔ فجار و فساق کو صراط مستقیم پر چلایا جائے۔ کفار مکہ کے اس عناد اور کینہ کے باوجود جس کی تفصیل میں کتب سیر بھری پڑی ہیں۔ پوری قوت قادرہ رکھتے ہوئے تمام برائیوں کا مقابلہ آج بھی حلم۔ کرم۔ لطف۔ احسان اور عفو عام سے کیا۔ یہی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی فطرت اور جبلت تھی جس کی شہادت قرآن میں موجود ہے "لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم

حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم" ترجمہ تم ہی میں سے تمہارے پاس اللہ کا رسول آیا ہے۔ جسے تمہاری تکلیف ناگوار ہے تمہاری بہتری کی خواہش و آرزو ہے۔ ایمان والوں کیلئے رؤف ورحیم ہے۔ "وکفیٰ باللہ شہیداً" اللہ کی شہادت کافی ہے۔

جنگ حنین

فتح مکہ کے بعد آپ پندرہ روز یہاں ٹھہرے اس دوران میں نماز قصر ادا فرماتے رہے۔

اسلام کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا۔ فتح مکہ سے پہلے اکثر لوگوں کی نظر مکہ کی انتظار میں تھی۔ چونکہ قریش تولیت کعبہ کے باعث احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ لوگوں کے لئے ہادی اور راہنما گنے جاتے تھے۔ عوام کا خیال تھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا تو پھر وہ سچا نبی ہے۔ اُس کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہرے گی۔ مکہ فتح ہوگیا۔ سب لوگ سہم گئے مگر ہوازن اور ثقیف پہ کچھ الٹا اثر پڑا۔ ان کے رؤسا نے سر تسلیم بھی خم نہ کیا اور یہ فکر بھی لاحق ہوا کہ اب ہماری باری آئی۔ بقول کسے

"اذا حلقت لحیۃ جارلہ فلیکب الماء علی لحیۃ"

ترجمہ۔ جب ہمسائے کی داڑھی مونڈی جائے۔ دوسرے کو تیار رہنا چاہئیے۔ اپنی داڑھی بھگو رکھے۔ نہایت جنگجو اور فنون جنگ

کے بڑے ماہر تھے۔ وادی حنین میں مکہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے اجتماع کیا۔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اڑتی خبر ملی کہ ہوازن اور ثقیف حنین میں جمع ہو رہے ہیں۔ پھر بھی حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے ایک خاص آدمی بھیجا۔ جو اُن کے لشکر میں سے پھر کر تمام حالات کا پتہ لایا۔ آ کر عرض کی واقعات بالکل صحیح ہیں۔ آپ نے بھی لشکر کی تیاری کر دی۔ شوال ۸ھ مطابق جنوری فروری ۶۳۰ء صبح کی تاریکی میں آپ حنین پہنچ گئے۔ پہلے ہوازن گھات میں چھپ گئے۔ پھر یکبارگی زور کا حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پیچھے کو لوٹے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا۔ کوئی جواب نہ آیا۔ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ ساتھ رہے۔ یہ آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ آپ سفید خچر پر سوار تھے۔ حضرت عباس عنان تھامے تھے۔ وہ بلند آواز تھے۔ اُن کو حکم دیا کہ "مہاجرین"۔ "انصار" "اصحاب شجرۃ الرضوان" کہکر بلند آواز سے پکارو۔ آپ کا آواز سن کر لوگ فوراً لوٹے۔ سو سے زیادہ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ ہوازن پھر سامنے آئے۔ جنگ زور سے شروع ہوا۔ آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ ہوازن پر رعب چھا گیا۔ دلوں میں خوف طاری ہوا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب

پہنچنے کی کوشش کی۔ پہنچ بھی گئے مگر سنبھل نہ سکے۔ ہزیمت خوردہ پیچھے کو بھاگے۔ ادھر سامنے سے اور مسلمان آ گئے۔ ہوازن گرفتار ہوئے۔ زنجیروں سے جکڑ لئے۔ مال واسباب اور عورتوں بچوں تک کو پکڑ لیا۔ ہوازن عورتوں اور بچوں کو میدان جنگ میں اس لئے ہمراہ لائے تھے۔ کہ اگر شکست رُخ دکھانے لگے تو بال بچوں کو چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ کوئی نہ کرے۔ جنگ حنین کا واقعہ قرآن شریف سورہ توبہ میں پڑھو۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام مال اسباب اور قید شدہ عورتوں بچوں کو قید ہی میں محفوظ رکھنے کا حکم دیا اور بلا تقسیم غنیمت کچھ فوج لیکر طائف کا رُخ کیا جہاں بنی ثقیف جمع ہو رہے تھے۔ پندرہ روز وہاں محاصرہ رہا۔ منجنیق (گوپیا) سے ان پر پتھر برسائے گئے۔ کچھ مارے گئے کچھ بھاگ نکلے۔ اصحابہ نے عرض کی آپ ان کے لئے بددعا کریں۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ "اللھم اھد ثقیفاً وأت بھم" اے اللہ ثقیف کو ہدایت کر اور میرے پاس آنے کی توفیق دے۔

طائف سے آپ جعرانہ پہنچے۔ وہاں ہوازن کا وفد خدمت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ قید شدہ عورتوں اور بال بچوں

کی رہائی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا۔ بال بچوں اور مال اسباب میں سے ایک چیز جو پسند ہو لے لو۔ انہوں نے عیال و اطفال کو انتخاب کیا۔ عورتیں اور بچے واپس دے دئیے گئے۔ مال غنیمت تقسیم ہوا۔ مال غنیمت اتنا تھا کہ بعض لوگوں کو سو دو سو تین تین سو اونٹ تک دئیے گئے۔ تفصیل کتب طویل میں دیکھو۔

یہاں خاص قابل توجہ بات یہ ہے کہ مکہ کے نومسلموں میں سے بعض کو دوسرے مہاجرین اور انصار کی نسبت امتیازی طور پر مال غنیمت زیادہ دیا گیا اور کافی زیادہ دیا گیا۔ تقریباً یہ چالیس آدمی تھے۔ اور یہ زیادتی اور امتیازی سلوک محض تالیف قلوب کی خاطر تھا۔ اسی لئے ان کا نام بھی "مؤلفۃ القلوب" رکھا گیا۔

بعض انصار کو یہ امتیاز ناگوار گذرا۔ نوجوان باتیں کرنے لگے۔ دل میں خیال پیدا ہوا۔ تکالیف اور مصائب کے وقت ہم ساتھی تھے۔ مگر فتح ہو گیا ہے۔ یہ واپس اپنے وطن مکہ میں آ رہیں گے۔ جس کے دیباچہ میں آج اہل مکہ کے ساتھ ہم سے بہتر سلوک کر رہے ہیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں بھی یہ آواز پہنچی۔ سب کو اکٹھا کیا۔ خطبہ پڑھا۔ فرمایا۔ اے انصار یاد ہے تم گمگشتہ راہ ہدایت تھے۔ میں تمہیں راہ رشد پر لایا۔ باہمی نفاق تھا۔ میں تمہارے درمیان

اتفاق کا ذریعہ بنا۔ مفلس قلاش تھے۔ میری صحبت میں آج مالدار بنے۔ آپ کے ایک ایک فقرہ پر انصار سر نیچا کئے عرض کرتے جاتے تھے۔ ہاں سچ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پہ بہت احسان ہے۔

آپ نے فرمایا۔ نہیں نہیں۔ تم یہ جواب دو۔ اے محمدؐ جب لوگوں نے تجھے جھٹلایا ہم نے تصدیق کی۔ تجھے گھر اور وطن سے نکال دیا ہم نے گلے لگایا اور پناہ دی۔ تو ہمارے پاس بے سر و سامان اور مفلس آیا۔ ہم نے امداد کی۔ میں کہونگا تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار تم اس بات پر خوش نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں اپنے ساتھ لے جائیں اور تم محمدؐ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اگر ہجرت کا امتیاز نہ ہوتا تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔ یاد رکھو اگر لوگ ایک راستہ اختیار کریں اور انصار دوسرا راستہ اختیار کریں۔ تو میرے قدم اس راستہ پر چلتے ہونگے جس کو انصار نے اختیار کیا ہے۔

آپ یہ فرما رہے تھے اور انصار زار و قطار رو رہے تھے۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور ساتھ ساتھ "صدق اللہ و رسولہٗ" کہے جاتے تھے۔

آپ جعرانہ سے عمرہ کی نیت سے مکہ آئے۔ وہاں سے مدینہ تشریف

لائے اور مکہ میں عتاب بن اسید نوجوان کو وہاں کا عامل مقرر کیا۔ جو تقریباً بیس سالہ نوجوان تھے۔ زہد و تقویٰ میں ثانی نہیں رکھتے تھے۔ وُہ پہلا امیر ہے جس نے مسلمانوں کو سب سے پہلے حج کرائی اور مشرکوں نے اپنے مروجہ اصولوں کے مطابق علیحدہ مناسک حج ادا کئے۔

غزوہ تبوک

آپ رجب ۹ھ ہجری تک مدینہ منورہ قیام پذیر رہے۔ اطلاع ملی روم کے لوگ سرکشی پر آمادہ ہیں۔ لوگوں کو اس طرف جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ عموماً مصلحت جنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نہیں بتایا جاتا تھا کہ کہاں کی تیاری ہے۔ لیکن اس سفر میں "بعد مسافت" کثرتِ عساکر عدو، شدتِ حرب و حرور۔ قلت زاد راہ وغیرہ بہت سی تکالیف کا یقیناً سامنا تھا۔ پہلے ہی ظاہر کر دیا گیا کہ سفر روم درپیش ہے۔ صرف وُہ لوگ تیاری کریں جن میں عزم بالحزم ہو۔ منافق خود تو شمولیت جنگ سے اعراض کرتے تھے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی پھسلانے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ان کی ساری کوشش رائگاں ہوئی۔ مسلمان جانے کے لئے امنڈ آئے۔ مال دینے میں ایک سے ایک سبقت لینے لگا حضرت عثمان نے دوسو اوقیہ چاندی دوصد اونٹ باربرداری

اور مجاہدین کی سواری کے لئے دئے۔ ایک روایت میں ہے کہ دس ہزار دینار ۹ سو اونٹ یکصد اسپ تازی آیا ہے۔ آپ بھی ساتھ تیار ہوئے تیس ہزار مجاہدین دس ہزار اسپ تازی کا لشکر روانہ ہوا جن لوگوں کے پاس باربرداری اور سواری کے لئے جانور نہ ملا۔ وہ زار وقطار روتے تھے مگر چارہ نہ تھا۔ انہی کے متعلق سورہ توبہ میں اللہ نے فرمایا ہے۔ "ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملہم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا واعینہم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ماینفقون" ترجمہ ان لوگوں پر کوئی اعتراض اور الزام نہیں جو تیرے پاس آئے تاکہ تو اُن کو سواری دیوے۔ تو نے کہا۔ میرے پاس کوئی سواری نہیں کہ تمہیں اُس پہ لادوں غم زدہ خون کے آنسو بہاتے لوٹے کہ ہائے اُن کے پاس خرچ کرنے کو کوئی چیز نہیں ہے۔ دستور تھا بیرون سے روانگی کے وقت پیچھے بال بچوں اور عورتوں بوڑھوں کی نگرانی کے لئے کوئی آدمی چھوڑ جاتے تھے۔ اس سفر میں جاتے ہوئے امیر المؤمنین علیؓ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ آپ یہاں رہیے۔ حضرت امیر المؤمنین نے آزردگی سے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں اسی خدمت کے لئے رہ گیا ہوں کہ عورتوں اور بچوں میں رہوں اور ان کی نگرانی

کروں۔ آپ نے فرمایا اے علیؓ تو اس بات پر خوش نہیں کہ میں تجھے موسےٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کا قائم مقام بناؤں۔ "انت منی بمنزلة هارون" آپ نے خوشی سے اس خدمت کو قبول کیا۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے۔ مقام تبوک پہنچے۔ وہاں قیام کیا۔ صاحب ایلہ۔ اہل جرباؤ اذراعات نے جزیہ دینا تسلیم کیا۔ معاہدہ لکھ دیا گیا۔ دومتہ الجندل کے پاس خالد بن ولید کو تھوڑا لشکر دیکر بھیجا اُس نے بھی جزیہ دینا منظور کرلیا۔ اہل روم کی تیاری کی خبر صحیح نہ تھی وہاں سے واپس ہوئے۔

عروہ بن مسعود اسلام لائے۔ بنی ثقیف جو محاصرہ سے بھاگ کر چھپ گئے تھے۔ ان کا وفد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا مالک بن عوف نے ان کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ آمد و رفت کے راستے مسدود تھے۔ ان کے رشتہ داروں کی خونریزی مباح کر رکھی تھی۔ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ عثمان بن ابی العاص کو جو اُن سب میں خورد سال تھا۔ ان پر امیر مقرر فرمایا۔ اُسے فقہ اور درس قرآن کا زیادہ شوق تھا۔

اب ان کے الٰہ باطلہ لات و عزیٰ توڑے گئے۔ یہ فرض

مغیرہ بن شعبہ نے سرانجام دیا۔ اسکی قوم اس کے گرد حفاظت کے لئے کھڑی ہوئی کہ کوئی حملہ نہ کر دے۔ جن لوگوں کے دل میں بتوں کی محبت ابا بعد جداً صدیوں سے جاگزین تھی۔ ان سے اس کا وقوع بعید نہ تھا۔ ثقیف کی عورتیں یہ دیکھکر زار زار روتی تھیں۔ ان بتوں میں جو زر و مال اور زیورات وغیرہ تھے۔ ابوسفیان کی تحویل میں دئے گئے جس سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق عروہ اور اسود بن مسعود کا قرض ادا کیا گیا۔

اب عربوں کو یقین ہوگیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ کرنا جان و مال دیکر شکست خریدنا ہے۔ اس سے مہنگا سودا اور کون ہوگا۔ ہر طرف سے وفود کی آمد شروع ہوئی (عربوں کی اصطلاح میں وفد اس جماعت کو کہتے تھے۔ جو اسلام سے متاثر ہوکر خود بخود اعتراف اسلام کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے) "اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً فسبح بحمد ربك واستغفرہ انہٗ کان توابا۔" کی صداقت ظاہر ہوئی۔ ترجمہ جب اللہ کی نصرت اور فتح آئے گی لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہونے شروع ہو جاویں گے

اپنے رب کی تعریف میں تو تسبیحات اور استغفار پڑھ۔ وہ تواب اور رحیم ہے۔

اس کثرت سے اس سال وفود عرب آئے کہ سال کا نام ہی "سنتہ الوفود" پڑگیا۔ حمیر ذی یزن وغیرہ کے وفد اسی سال آئے۔ جب ہی کوئی وفد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا۔ آپ عزت فرماتے۔ احترام سے پیش آتے۔ امور دین سکھاتے۔ راہ ہدایت و رشد پر لگاتے۔ امر خیر کی بشارت دیتے۔ ظلم و ستم اور فسق و فجور سے منع کرتے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دیتے۔ معاہدہ سند کے طور پر لکھ دیتے۔

حج وداع

ذی الحج سنہ ۱۰ ہجری مطابق فروری ۶۳۲ء نبی صلے اللہ علیہ وسلم حج وداع کے لئے تیار ہوئے۔ مناسک حج ابراہیمی سنت کے مطابق دس ذی الحج کو ادا کئے جاتے تھے۔ مگر شمسی اور قمری مہینوں میں تفاوت کی وجہ ذی الحج کا مہینہ کبھی سخت گرمیوں میں آتا۔ کبھی سخت سردیاں ہوتیں۔ امت بعیدہ

کے یہود اور انصاریٰ نے سہولت سفر کو اختیار کیا۔ آرام دہ موسم کی شمسی تاریخ حج کے لئے مقرر کرلی۔ حسن اتفاق سے اب کے سال وہ تاریخ دس ذی الحجہ کو واقعہ ہوئی۔ آپ کی یہ پہلی اور آخری حج ہے۔ جو سنت ابراہیمی کے مطابق ادا فرمائی اور تمام امت نبی صلے اللہ علیہ وسلم اسی تاریخ کی پابند ہے۔ اس سے پہلے آپ نے کئی دفعہ عمرہ ادا کیا۔

جب حج کے لئے تیار ہوئے۔ شوق رفاقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور سفر حج اسلام کی خوشی میں ہر طرف سے عرب امنڈ آئے۔ رؤسا و اشراف قریش نے ہمسفری کو فخر جانا۔ دھوم دھام سے آملے۔ راستے میں جہاں جہاں بھی کسی کو علم ہوتا گیا۔ آکر شامل ہوتے رہے۔ عرفہ میں پہنچکر سانڈنی پر سوار خطبہ پڑھا جس کا ذکر کتب احادیث و سیر میں خصوصیت سے موجود ہے۔

فرمایا۔ لوگو میری طرف توجہ کرو۔ شاید اب کے بعد کبھی بھی تمہاری میری ملاقات یہاں نہ ہو۔ تمہارے مال اسباب اور خون باہم قابل احترام ہیں۔ جیسا کہ یہ مہینہ اور یہ دن قابل احترام ہے کسی کا مال اسکی رضامندی کے بغیر لینا یا خونریزی کرنا تم پر حرام ہے

تمھارا خدا ایک۔ باپ آدم ایک۔ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور عجمی عربی سے عزت وشان میں زیادہ نہیں۔ احمر و اسود یا گورا کالا رنگت کے لحاظ سے مرتبہ میں برابر ہیں۔ صرف ایک چیز تقوٰی ہے۔ جس سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف زیادہ ہے وہی مرتبہ میں اعلٰے اور برتر ہے۔ تمہیں ایک روز خدا کے پیش ہونا قطعی اور لازمی ہے۔ جو پوچھے گا۔ دنیا میں کیا عمل کمایا۔ جس کے ذمہ کسی کی امانت ہے وہ فوراً ادا کر دے۔ جس نے کسی پر سود کا بوجھ ڈالا ہوا ہے۔ وہ اپنا رأس المال لیکر سود چھوڑ دے۔ تم بندوں پر ظلم وستم نہ کرو اللہ تم پر زیادتی نہ کرے گا۔

اللہ نے سود حرام کیا ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان میں سے عباس بن عبدالمطلب کا سود سارے کا سارا باطل قرار دیتا ہوں۔ زمانہ جاہلیت کے تمام خونبہا اس وقت باطل قرار دئے گئے ہیں اور میں بھی اپنے خاندان میں سے ربیعہ بن حرث بن عبدالمطلب کا انتقام خون ناجائز قرار دیتا ہوں۔ (ربیعہ قریش کے خاندان میں سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا چچا زاد بھائی تھا۔ بنو ھذیل نے قتل کیا تھا۔ اس کے خون کا انتقام خاندان میں

بطور میراث فرض چلا آتا تھا) پھر فرمایا۔ شیطان مایوس ہو چکا ہے۔ کہ تمہاری اس سرزمین میں کوئی بھی اسکی پرستش کرے یا کہا مانے۔ لیکن وہ جانتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کروگے وُہ اسی پر راضی ہوگا۔ جو کام خود تمہیں بُرے معلوم ہوں ان سے بچو۔

جب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے ہیں زمانہ چکر کھا رہا ہے۔ مہینے یوم اوّل سے بارہ ہیں۔ اور بارہ ہی رہیں گے۔ چار شہر حرام ہیں۔ ذی القعد۔ ذی الحجہ۔ محرّم۔ تین متواتر اور چوتھا رجب جو شعبان سے پہلے ہے۔)

تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں کسی بھائی کو بھائی کے مال سے کوئی چیز بے اجازت لینی جائز نہیں۔ جب تک کہ وُہ اپنی خوشی سے نہ دے۔ تمہارے غلام اور خدّام تم پر حق رکھتے ہیں کہ جو خود کھاؤ پہنو انہیں بھی وہی کھلاؤ پہناؤ۔

عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ تمہارے ان پر جیسے حقوق ہیں ویسے وہ بھی تم پر حق رکھتی ہیں۔ تمہارے ان پر یہ حق ہیں کہ وہ برائی فاحشہ سے بچیں تمہاری محبت غیر سے نہ کریں اگر کریں تو اللہ تمہیں انہیں مارنے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ اور

ان سے ترک نشست برخاست کا حکم بھی ہے۔ اگر وُہ پشیمان ہوکر باز آجائیں تمہارے ذمہ ان کا لباس و خوراک ہے۔ وُہ تمہارے پاس اللہ کی امانت ہیں صرف کلمہ قبول سے تم اُن کے مالک بنے ہو۔

"فرمایا" میری بات سنو میں نے اللہ کا پیغام تمہیں سنا دیا دو چیزیں تم میں چھوڑے جاتا ہوں۔ (۱) اللہ کی کتاب یعنی قرآن شریف۔ (۲) اللہ کے رسول کی سنت یعنی اسوۂ حسنہ اگر ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے پکڑ لو گے۔ کبھی غلطی میں نہیں پڑو گے۔ پھر بلند آواز سے فرمایا "الاھل بلغت" لوگو بتاؤ میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ سب نے کہا پہنچا یارسول اللہ۔ فرمایا "اللھم اشھد" خدایا گواہ رہنا یہ اقرار کر رہے ہیں کہ میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ پھر لوگوں کو مخاطب ہوکر فرمایا۔ فلیبلغ الشاھد الغائب" جو موجود ہیں وہ غیر حاضرین کو یہ پیغام سنا دیں۔ مقام قربانی پر تشریف لے گئے۔ یکصد قربانی کا اونٹ ساتھ تھا کچھ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے کچھ دوسروں نے ذبح کیے۔ سر کے بال منڈ دائے۔ چاہ زمزم کے پاس گئے حضرت عباسؓ نے پانی نکالا آپ نے

کھڑے کھڑے نوش فرمایا اس لئے آبِ زمزم کھڑے ہو کر پینا سنت ہے۔ بقیہ ایام تشریق ۱۲ ذی الحجہ تک مقام منیٰ میں قیام فرمایا۔ وہاں سے خانہ کعبہ تشریف لے گئے آخری طواف کیا صبح کی نماز ادا کی۔ پھر مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ منورہ کی مراجعت فرمائی۔ راستہ میں ایک مقام خم آتا ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے، عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اس مناسبت سے جگہ کا نام ہی غدیرِ خم ہے۔ یہاں بھی ایک خطبہ فرمایا۔

لوگو۔ میں بھی انسان ہوں۔ ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجاوے اور مجھے قبول کرنا پڑے میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں اوّل قرآن شریف جسمیں نور اور ہدایت ہے اللہ کی کتاب مضبوطی سے پکڑ لو۔ ہر کام میں اسے دستاویز مانو۔ دوسرے اہل بیت۔ میں اہل بیت کے معاملہ میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

مدینہ منورہ پہنچے۔ ۱۸ یا ۱۹ صفر سنہ ۱۱ ہجری جنتہ البقیع میں تشریف لے گئے۔ واپس تشریف لائے طبیعت ناساز تھی دوشنبہ کے دن طبیعت سخت ناساز ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر حضرت عائشہؓ کے گھر لے گئے۔

مرض نے شدت اختیار کی۔ نماز مغرب کا وقت ہوا۔ نماز پڑھانے کی طاقت نہ رہی۔ فرمایا ابوبکرؓ کو کہو نماز پڑھا لے۔ ابوبکر صدیقؓ نے نماز پڑھائی مشہور روایت کے مطابق ابوبکر صدیقؓ نے دس نمازیں پڑھائیں۔ دوشنبہ دو ربیع الاول صبح کی نماز میں سر لپیٹے ہوئے تشریف لے گئے۔ ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے آہٹ سے معلوم کر کے کہ حضورؐ تشریف لائے ہیں مصلے سے پیچھے ہٹنے لگے آپؐ نے وہیں ٹھیرا دیا داہیں پہلو میں بیٹھکر نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر وعظ فرمایا طبیعت سنبھل گئی تھی۔ پھر عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ ابوبکر صدیق اپنے مکان واقع سنخ میں چلے گئے جو مدینہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ آپ کی طبیعت بعد میں زیادہ ناساز ہو گئی۔ آنکھ نے ٹکٹکی باندھ لی اور زبان پر یہ لفظ جاری ہوا " الرفیق الاعلے" "الرفیق الاعلے" حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں جان گئی کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔ کہ یہاں دنیا میں رہنا پسند ہے یا میرے پاس آنا چاہتے ہو۔ آپ رفیق اعلے کو اختیار کر رہے ہیں۔

دوپہر کے وقت دوشنبہ کے روز ۲ ربیع الاول روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔ "اللھم صل علیہ والہ واصحابہ صلوٰۃ"

کثیراً کثیرا" آپ کی وفات کی خبر فوراً پھیل گئی۔ لیکن لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے۔ اندر گئے چہرہ مبارک سے کپڑا ہٹایا۔ بوسہ لیا کہنے لگے۔ "یا ابی انت وامی قد ذقت الموت التی کتب اللہ علیک ولن یصیبک بعدھا موتۃ ابدا" ترجمہ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں تو نے بھی اُس موت کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ نے تیرے لئے مقرر کی تھی۔ اب اس کے بعد کبھی موت نہیں آئے گی۔

یہ خبر سنکر عمرؓ تو اس قدر حواس باختہ ہو گئے کہ تلوار کھینچ لی۔ اور کہا جو یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اُس کا سر اڑا دوں۔ ابا بکر صدیق نے لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا۔

"ایھا الناس من کان یعبد محمداً فقد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت" لوگو جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمدؐ تو فوت ہو گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا اللہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ پھر قرآن شریف کی آیت تلاوت فرمائی۔ "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین"

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جونہی میں نے یہ آیت سنی۔ میرے پاؤں میں سکت نہ رہی۔ لرز گئے۔ زمین پر گر پڑا۔ جان گیا کہ واقعی آپ وفات پا گئے۔

حضرت علیؓ عباسؓ ان کے بیٹے فضلؓ و قثمؓ اور اسامہ بن زید تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ غسل حضرت علیؓ نے آپ کی وصیت کے مطابق دیا۔ حضرت عباس اور ان کے بیٹے پانی ڈالنے اور پہلو تبدیل کرنے میں امداد دیتے رہے۔ اسامہ بھی ساتھ تھا۔ تین سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ جہاں آپ نے روح اللہ کے سپرد کی وہیں دفن کئے گئے۔ ابو طلحہ نے قبر کھودی۔ حضرت علیؓ فضل بن عباس۔ اسامہ بن زید اور عبدالرحمٰن بن عوف نے قبر میں اتارا۔ جنازہ بھی وہیں پڑھا گیا۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے بعد میں لڑکوں نے جماعت جماعت ہو کر جنازہ پڑھا۔ ایک روایت کے مطابق چار شنبہ رات کو دفن ہوئے دوسری روایت میں تین شنبہ رات کو دفن ہوئے۔ آپکی عمر ترسٹھ سال تھی۔ لوگوں پر اسقدر رہم و غم طاری ہوا کہ ہوش ٹھکانے نہ رہے زبانیں گنگ ہو گئیں۔ گھر گھر ماتم ہو رہا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حسن الخلق۔ خوبرو۔ سرخی مائل گورا رنگ۔ چمکتا دمکتا روشن چہرہ۔ رخساروں پر نہ زیادہ گوشت ابھرا ہوا نہ اندر بیٹھے ہوئے۔ کشادہ پیشانی۔ نظر تیز۔ بڑی بڑی سرمگیں آنکھیں سرخی ملا سیاہ حلقہ (ڈیلا) دندان مبارک نہ بہت ملے ہوئے نہ کشادہ جب ہنستے موتی کی طرح چمکتے۔ جب کلام فرماتے نور کی شعائیں سوڑوں کے پاس سے ظاہر ہوتیں۔ لب مبارک دنیا بھر کے لوگوں سے خوبصورت۔ منہ بند ہوتا تو لطیف ترین نظر آتا۔ شیریں تکلم۔ رفیع الصوت۔ آواز اتنا دور جاتا جہاں کسی اور کا نہ پہنچ سکے۔ گردن نازک اور خوبصورت نہ لمبی نہ چھوٹی۔ "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" کا صحیح نقشہ آپ کی صورت بشری تھی۔ اسی سے حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کا قول نقل کرتے ہیں مصر کی عورتوں نے یوسف کنعانی کو دیکھکر انگلیاں کاٹ ڈالی تھیں۔ میرے یوسف کو دیکھتیں تو غش کھا کر جگر کاٹ ڈالتیں۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

بھلا جس تصویر کے نقش و نگار مصوّرِ قدرت نے اپنے پسند کے بنائے ہوں۔ انسان کی کیا مجال کہ اُس حلیہ کو کما حقہٗ بیان کر سکے جہاں تک انسانی ذہن کی رسائی ہے۔ اسپ فکر کو اڑلگاتا رہے حقیقی حسن کے عشر عشیر کا بیان کرنا بھی محال ہے بقول کسے ؎

خدا مدارحِ حضرت مصطفےٰ ایں ۔۔۔ محمد حامد حمد خدا ایں
محمد از تو میخواہم خدا را ۔۔۔ الٰہی از تو عشق مصطفےٰ را

خواص فطری و اعمال طبعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم

احسن الخلق۔ جوّاد دِل۔ صدق گفتار۔ نرم مزاج۔ کریم معاشرت پاکیزہ طبیعت۔ جری حوصلہ۔ کشادہ دست۔ دنیا بھر کے لوگوں میں سب سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والے اور عارف باللہ۔ سب سے زیادہ روزے رکھنے والے اور قائم اللیل خصوصاً رمضان شریف کی راتوں اسقدر عبادت الٰہی میں قیام فرماتے کہ پاؤں ورما جاتے۔ کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا مراد پائی یا شیریں کلامی سے رخصت ہُوا۔ امیدوار مایوس نہ ہو

جو ہوتا عطا فرماتے۔ نہ ہوتا وعدہ فرماتے اور پورا کرتے۔ کوئی چیز فردا کے لیئے ذخیرہ نہ کرتے۔ کسی طالب کی طلب "نہیں" سے رد نہ ہوتی دنیا و مافیہا کی کوئی چیز بھی اپنی ذات کیلئے خشم آلود نہ کرتی۔ ناراض ہوتے تو اللہ کے لیئے۔ خوش ہوتے تو اللہ کے لیئے مستغیث کی دادرسی میں اسقدر غضبناک ہوتے کہ جب تک انتقام نہ لے لیتے غصہ فرو نہ ہوتا۔ کنواری لڑکی سے بڑھ کر شرم وحیا میں آنکھ نیچے کئے رکھتے۔ خوش طبیعت اس درجہ کہ ہر بات خندہ پیشانی سے کرتے۔ ہنس مکھ لیکن ہنسی تبسم کی حد سے تجاوز نہ کرتی۔ رنج وغم میں رونا بھی ہنسی کی طرح تھا۔ جیساکہ ہنسی تبسم سے گزر کر قہقہہ تک نہ پہنچتی تھی۔ ایسے ہی گریہ۔ نالہ وشہیق تک نہ جاتا۔ رونا صرف خوفِ خدا یا خوفِ عذاب امت یا اس پر شفقت کے لیئے ہوتا یا کسی مسلمان کی تکلیف پر رحم کی وجہ سے رونا آجاتا۔ کبھی سماعِ کلامِ الٰہی یا قیام اللیل میں رقت طاری ہوتی تو رونا آجاتا۔ چھینک آتی تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے تاکہ آواز بلند نہ ہو۔ ہمیشہ غور وفکر میں رہتے۔ خاموش رہتے۔ سوائے ضرورت کلام نہ کرتے۔ غیر مستحسن متکلم سے اعراض فرماتے۔ اگر کسی امر قبیح وشنیع میں گویائی کی ضرورت لاحق ہوتی تو صراحت ووضاحت

کو چھوڑ کر اشارہ و کنایہ سے کام لیتے۔ خاموشی میں وقار اور تکلم میں جذب قلوب و توجہ انتظار ہوتی۔ ہیبت ٹپکتی۔ ہر قدم پر اللہ کا ذکر اور ہر نشست و برخاست میں اللہ کا نام لیتے۔ سخن کا ابتداء اور انتہا اللہ کے ذکر سے ہوتا۔ سخن شیریں اور کلام میں حسن لہجہ ہوتا۔ جامع اور مانع کے مصداق مختصر اور مکمل کلام ہوتی۔ کلام میں مبالغہ نہ اتصال۔ جو آپ کی مجلس میں بیٹھتا کلام یاد کر لیتا جو سنتا سمجھ جاتا۔ گویا لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہیں جنہیں نہ زیادہ ہیں نہ کم۔ کسی کو برا نہ کہتے۔ عیب نہ لگاتے۔ آپ کی مجلس حلم حیا امانت اور صبر کی مجلس ہوتی۔ "لا ترفعوا اصواتکم" کے ماتحت کوئی بلند آواز سے نہ بولتا۔ جب آپ بولتے۔ سامعین سر جھکا لیتے۔ جیسا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ کسی جلیس مجلس کے دل میں خیال تک بھی نہ گذرتا کہ فلاں کے ساتھ مجھ سے زیادہ توجہ یا الفت ہے بلکہ ہر ایک کو یہی گمان ہوتا کہ مجھ ہی پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ کسی کی کلام نہ ٹوکتے ہاں اگر ناجائز ہوتی منع فرماتے یا وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ ہمیشہ نیچے دیکھتے زمین پر نظر ہوتی۔ آسمان کی چیزیں تاڑ جاتے۔ آنکھ سوتی جب بھی دل بیدار ہوتا۔ اہل عزت و احترام کی عزت کرتے۔ تالیف قلوب

فرماتے: نفرت نہ دلاتے۔ ہر قوم کے سردار کی عزت کرتے۔ سوائے مقام جہاد کے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ کبھی ازواج مطہرات میں سے کسی کو مارا نہ خدام و غلام کو۔ بزرگ اور بڑا اُسے سمجھتے جو معاملات و مواسات میں اچھا ہوتا۔ مدح و ثنا کو کبھی پسند نہ فرماتے۔ خدام و مملوک کی دعوت جو کی روٹی پر قبول کرتے۔ لڑکوں کے پاس سے گذرتے السلام علیکم کہتے۔ جب کسی قوم میں جاتے جہاں جگہ پاتے بیٹھ جاتے۔ امتیازی حیثیت سے نفرت ہوتی۔ ضعیف و کمزور مسلمانوں کی زیارت کے لئے جاتے۔ ان کے مریضوں کی عیادت کرتے۔ جنازوں میں شامل ہوتے۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار"

امت مسلمہ کے عوام و خواص کو چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ حسنہ کو مشعل راہ بنائیں۔ غلطی نہ کھائیں۔ قعر ضلالت میں نہ جائیں۔ افسوس عوام کیا خواص کو بھی اس اسوہ حسنہ کے ساتھ دور کا تعلق نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں اکثر مدعیان تصوف اور متلبسان زہد و عبادت کا ظاہر باطن سے زیادہ آراستہ ہے۔ علمائے کرام ممبر پر کچھ فرماتے ہیں لیکن "چوں بخلوت مے روند آں کار دیگر مے کنند" "تامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم" ہاتھی کے دانت ہیں۔ "یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم"

؎ برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر :: ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر"
خود پسندی اس درجہ کہ کسی غریب کو جرأت نہیں راہ ہدایت کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو پوچھ سکے۔ "فاسئلوا اھل الذکر" کا فرمان دل کو ابھارتا ہے کہ اہل علم کے نور علم سے شبہات کی تاریکی کو مٹائیں اور توحید کے صراط مستقیم پر گامزن ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کا کھوج لگا کر ان قدموں پر چلیں۔ بقول سعدی ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

لیکن سیدھا راستہ بتانے والوں کا یہ حال ع
کرا راہبری کند آنکہ خود گمرہ است۔ ان کے قول و فعل گفتار و رفتار میں بعد المشرقین نظر آتا ہے۔ راہ کا طالب اس تذبذب میں پڑ جاتا۔ حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ میرے قائد نے جس راستے پر مجھے لگایا خود مخالف سمت جا رہا ہے۔ الا معدودے چند وہ بزرگان دین بھی ہیں جو علماء کرام ہوں یا مشائخ عظام خود بھی راہ حق پر ہیں اور شریعت کے پورے پورے پابند اور اپنے متبعین کو بھی پوری ہدایت کرتے ہیں مگر "آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد" کے مصداق بہت کم

ہیں بخت، جستجو اور تلاش کے بعد ملتے ہیں۔ اللہ ہمیں ہدایت دے اور اسوۂ حسنہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مشعل راہ بنائیں آمین ثم آمین۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے چند کلماتِ حکمت

وُہ نیک بخت ہے جو دوسرے سے عبرت حاصل کرے، نہ وُہ جو دوسروں کے لئے عبرت بنے (۲) اچھے کام بری شکست سے بچاتے ہیں۔ (۳) طبیعت جس چیز پر آجائے اُسی سے محبت کرنے لگتی ہے۔ (۴) کوشش نصف روزی ہے۔ (۵) مسلمان وُہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ بچے رہیں۔ (۶) آدمی بھائیوں کے ساتھ بڑا ہوتا ہے (۷) نیکی بتانیوالا نیکی کرنے والے کے برابر ہے (۸) چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ (۹) رزق موت سے بھی جلدی آدمی کو ڈھونڈ لیتا ہے (۱۰) مومن کی نیت عمل سے بھی اچھی ہوتی ہے۔ (۱۱) نیک آدمی کی فراست سے بچو وُہ اللہ کی روشنی ہیں

ہر چیز دیکھتا ہے۔ (۱۲) جوانی کو پیری' صحت کو بیماری' دولت کو افلاس' فرصت کو مصروفیت اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو (۱۳) سچ کہو ناگوار کیوں نہ ہو (۱۴) حوائج کو پوشیدگی میں حاصل کرو (۱۵) استخارہ کرنے والا نقصان نہیں اٹھاتا۔ مشورہ کرنے والا ندامت نہیں پاتا (۱۶) مؤمن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا (۱۷) سلام عام کرو۔ طعام کھلاؤ۔ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو (۱۸) رات کو جب لوگ سو جائیں تم کھڑے ہو (۱۹) بہشت تکلیفوں سے گھرا ہوا ہے (۲۰) کتنا کیوں نہ جئے موت نے آنا ہے۔ جس سے چاہے جتنا پیار کرے ایک روز اُسے چھوڑ جانا ہے۔ جو چاہو کرو ضرور اُس کا بدلہ پانا ہے۔ (۲۱) نیکی اچھی عادات کا نام ہے (۲۲) قناعت نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے (۲۳) جو اللہ کے لئے جھکتا ہے اللہ اُسے بلند کرتا ہے (۲۴) وہ خوش قسمت ہے جسے اپنے عیبوں کا محاسبہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کی فرصت نہیں دیتا (۲۵) اُسے مبارک ہو جو اپنی حلال کی کمائی سے خرچ کرے (۲۶) توبہ کرنے سے گناہ کبیرہ مٹ جاتا ہے صغیرہ پر اصرار کبیرہ بنا دیتا ہے (۲۷) جو امین نہیں

اسمیں ایمان نہیں (۲۸) بری صحبت سے خلوت اچھی ہے۔
(۲۹) بعض وقتی خواہش لمبے عرصہ کے حزن وغم کا موجب
بنتی ہے (۳۰) اللہ بہت باتوں، کثرت سوال اور اضاعت
مال کو پسند نہیں کرتا (۳۱) دنیا میں تمہارا قرار اس سوار کے مشابہ
ہے جس نے درخت کے سایہ میں آرام لیا اور چل پڑا۔ (۳۲)
اللہ کو عمل کا دوام اور تواتر پسند ہے چاہے تھوڑا بھی ہو۔
(۳۳) مسلمان کبھی ناکام و بے نیل ومرام نہیں ہونگے جب
تک ان میں کلام میں راستی حکومت میں انصاف اور رحم کی درخواست
پر رحم کرنے کی عادت ہوگی (۳۴) اللہ اس انسان کی مدد کرتا
ہے جو اپنے بھائی کی مدد کرے (۳۵) مجاہد وہ ہے جس نے اللہ
کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کیا (۳۶) مانگنے والے سے
دینے والا اچھا ہے (۳۷) دین میں جدّت بدترین بدعت
اور عیب ہے (۳۸) اللہ کا خوف سب سے بڑی حکمت ہے۔
(۳۹) بری کمائی سود اور بری خوراک یتیم کا مال ہے (۴۰) ہنسی
روح کو مٹاتی ہے۔ (۴۱) دنیا کی ندامت عاقبت کی ندامت سے
آسان ہے (۴۲) دنیا کی خواہش غم وہم بڑھاتی ہے (۴۳)
بیکاری قساوت قلب پیدا کرتی ہے (۴۴) علماء اللہ کے امین

ہیں (۴۵) بڑی بربادی یہ ہے کہ انسان اہل وعیال کو آسودگی میں چھوڑ جاوے اور خود اللہ کے سامنے ذلت کا منہ لیکر پیش ہو (۴۶) جو نیکی میں آسودہ برائی میں رنجیدہ ہو وہی مومن ہے (۴۷) فرمایا وہ میری امت سے نہیں جس کو خدا کشادہ روزی دیوے اور وہ اہل وعیال کو تنگی میں رکھے۔

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم

اس سے پہلے جو کچھ عرض ہوا۔ وہ تاریخ کی روشنی میں تھا۔ وقوعی واقعات کے علاوہ آپ کی راست گفتاری۔ امانت طبعی رحم وکرم ضعیف پروری حلم وحیا وغیرہ بھی صفات محمودہ واوصاف ستودہ کا ذکر آیا ہے۔ اس کا ماخذ روایت تھی۔ اب قرآن اور قرآن والے کی شہادت کے طور پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔ ”وکفیٰ باللہ شہیدا“

(۱) ”انك لعلیٰ خلق عظیم“ ذات الٰہی کا ارشاد ہے۔ اے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) تو ہی اخلاق عظیم کا مالک ہے

اب اس کے بعد انسانی دماغ اور بشری فکر اخلاق نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو کچھ بھی بیان کرے وہ اللہ کی شہادت "خلق عظیم" سے اتنی ہی کم وقعت تعریف ہوگی جتنا کہ خالق اور عامی مخلوق میں فرق ہے۔ چونکہ جس خلق کو ذات کبریائی "صفت عظیم" سے متصف فرماتی ہے۔ اُس کے مقابلہ میں کسی اور کا کسی ہی عبادت میں تعریف کرنا مدح ناشناس سے زیادہ وقیع نہیں۔ اور مدح ناشناس عقلاء کے نزدیک ذم ممدوح ہے۔ اس لئے اس سے سکوت بہتر۔ نبی کے اخلاق کا عرفان اللہ ہی کے علم میں صحیح ہے۔ "صدق اللہ"

(۲) "وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین" اللہ نے فرمایا۔ اے نبی ہم نے تجھے تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کا وجود مسعود رحمت عمومی کا منبع و مخزن تھا۔ دوست اور دشمن کے لئے رحمت۔ دین و دنیا میں رحمت مومن اور کافر کے لئے رحمت۔ جس وقت آپ مبعوث ہوئے اُس وقت کے ادیان باطلہ سے کون ناواقف ہے۔ لوگ جاہلیت اور ضلالت کی اسفل السافلین قعر میں اوندھے پڑے تھے۔ قبیلہ نہیں۔ گھر گھر بلکہ ہر گھر کے ہر فرد کا خدا

علیحدہ تھا۔ تمام اہل کتاب امر دین میں نہائیت حیران و سرگرداں تھے۔ ہادی گذرے مدتیں گذری تھیں۔ راہبر حق کے متلاشی تھے اللہ کی فرستادہ کتابوں میں اہل غرض اور علمائے سُو نے حطام دنیا کے عوض تحریف کردی تھی۔ حق اور باطل میں امتیاز نہ رہا تھا۔ خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے ایسے وقت بھیجا کہ طالب حق کو فوز و ثواب کا راستہ نہ ملتا تھا۔ آپ مشعل توحید ہاتھ میں لئے آئے۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ حق اور باطل علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ "قد تبیّن الرشد من الغی" کی شہادت موجود ہے۔ آپ رحمت فی الدین ثابت ہوئے رحمت فی الدنیا۔ کا ثبوت یہ ہے کہ اُس وقت کی تاریخ ان لوگوں کے تمدن اور طرز معاشرت کو بتاتی ہے۔ قتل و غارت ان کا تفریحی مشغلہ تھا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا عزت کی رسم تھی۔ زنا و شراب نوشی فخر و مباہات کا نشان تھا۔ عورت حیوانات سے بدتر سلوک کی مستحق سمجھی جاتی تھی۔ نوع انسانیت میں ان کا شمار و قطار بھی نہ تھا۔ ادراک انسانی جس فعل کو بدترین عادت خیال کر سکتا ہے۔ یا تصویر انسانی میں بداخلاقی کا کوئی نقشہ سما سکتا ہے وُہ عرب کے لوگوں میں تھا۔ مگر رحمتہ اللعالمین کی بعثت

وہ رحمت ثابت ہوئی۔ کہ دس سال کے قلیل عرصہ میں جو بعد ہجرت کا زمانہ ہے۔ دنیا کی کایا پلٹ دی جن کو شاگرد بھی کوئی نہ بناتا تھا۔ دنیا کے اساتذہ نے زانوئے تلمذ اُن کے سامنے تہ کیا۔ وہی بداخلاق چہار دانگ عالم میں اخلاق کے قائد و راہنما ہوئے۔ قطاع الطریق پاسبانانِ ابنائے السبیل ہوئے۔ فاسق وفاجر زہد و ورع میں خود اپنی نظیر ہوئے۔ قتل وغارت کی عادت الفت ومحبت میں تبدیل ہو گئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" واذکروا نعمتہ اللہ علیکم اذ کنتم اعداً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذ کم منھا" ترجمہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو ایک دوسرے کے دشمن تھے تمہارے دلوں میں اللہ نے محبت ڈال دی۔ اللہ کی نعمت سے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ تم آگ کے کنارے پر کھڑے تھے تم کو وہاں سے نکال لیا۔ یہ ہے آپ کا رحمت فی الدنیا ہونا۔

کافروں کے لئے بھی آپ رحمت ثابت ہوئے۔ قرآنی شہادت موجود ہے۔ کہ ہر نبی کی تکذیب کرنے والوں پر فوری عذاب الٰہی نازل ہوتا رہا۔ خسف۔ مسخ۔ غرق۔ زلزلوں سے تباہی۔ بادوباراں

کے طوفان سے بربادی۔ جراد و قمل کا عذاب بلا تلاخیر ہوتا رہا۔
مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مکذبین عذاب طلب کرتے ہیں۔
اور کہتے ہیں کہ اگر ہم جھوٹے ہیں تو اپنے خدا سے کہو ہم پر پتھر برسائے
مگر اللہ فرماتا ہے "ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم"
اے نبی جب تک تو ان لوگوں میں موجود ہے تیرا خدا ان پر عذاب
نازل نہیں کریگا۔ تو رحمت ہو کر مبعوث ہوا۔ زحمت نہیں بن
سکتا۔ ایسے ہی ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ کو کسی نے
کہا کہ مشرکوں کے لئے بددعا کریں یہ آپ کو ستاتے ہیں فرمایا
"انما بعثت رحمۃ ولم ابعث عذابا" سوچو اور
غور کرو جو ذات دوست و دشمن کے لئے دین و دنیا کے لئے تمام
عالم کے لئے رحمت ہو اس رحمت کی شہادت قرآن
اور قرآن بھیجنے والا دیتا ہو۔ انسان کو کہاں جرأت کہ اس کی
مدح و ثنا کر سکے کرے بھی تو کن الفاظ اور کس زبان سے۔

ہزار بار بشویم زبان زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

ہم زیادہ زور لگائیں تو یہ کہکر خاموش ہو جاویں
گے۔ ؎

یا صاحب الجمال یا سید البشر   من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(۳) " لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف الرحیم" تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آیا ہے جسے تمہاری تکلیف ناگوار ہے۔ تمہاری بہتری کے لئے کوشاں ہے۔ ایمان والوں کے ساتھ رؤف الرحیم ہے۔ رأفت و رحمت آپ کا جبلّی خاصہ تھا جس کی شہادت قرآن شریف دے رہا ہے اور یہ اوصاف محمودہ قساوۃ قلب اور ظلم کے مقابلہ میں آتے ہیں اللہ فرماتا ہے آپ رؤف بھی تھے رحیم بھی تھے۔ رحمۃ للعالمین بھی تھے۔ خلق عظیم کے مالک بھی تھے۔" انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم" صراط مستقیم پر چلنے والے رسول بھی تھے۔" انا اعطینٰک الکوثر" کے انعام کے مستحق بھی تھے۔" ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ" کا وعدہ بھی اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ کچھ دونگا جس سے تو راضی ہو جائے گا۔ اللہ نے اپنے دوست کو دنیا میں بھی راضی کیا۔ قیامت

ہیں بھی راضی کرے گا ۔ یٰسین ۔ مزمل ۔ مدثر ۔ والضحیٰ
الم نشرح ۔ کوثر قرآن کی سورتیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کے اخلاق اور عطیات الٰہی کی شہادت ہیں ۔ "لقد کان
لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ لمن کان یرجو اللہ
والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا" اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے تمام افعال کو اسوہ حسنہ فرمایا ہے ۔ بتایا کہ جو
اللہ کو چاہتا ہے ۔ قیامت کو مانتا ہے ۔ اُن کے لئے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعمال حتیٰ کہ رفتار گفتار کردار
اور نشست و برخاست ولباس وخورد و نوش تک اسوہ حسنہ
ہیں ۔ ان کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ اللہ کو پسند ہے
اور اللہ کا فرمان ہے ۔ اس میں ان کی اپنی مرضی کا دخل نہیں
"ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" ان کا
چلنا اللہ کے لئے ۔ بیٹھنا اللہ کے لئے ہر فعل اللہ کے لئے
ہے ۔ "قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ
رب العالمین" نماز اور جملہ ارکان یہاں تک کہ زندگی اور
موت بھی اللہ ہی کے لئے ہے ۔ شیطن ایمان لا چکا ہے ۔
نفس امارہ نفس مطمئنہ بن گیا ہے ۔ قرآن کے اس بیان کے

بعد انسان کے پاس کونسے الفاظ ہیں جن سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کر سکے۔

مسلمان کی تہذیب اسوۂ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا ہے۔ ورنہ اس کے علاوہ جو بھی تہذیب ہے وہ تخریب ہے جن مسلمانوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنا شاہراہ عمل بنایا۔ ان کے صراط مستقیم پر گامزن ہوئے وہ معراج ترقی پر چھلانگیں مارتے چڑھتے گئے۔ باقی دنیا تک ان کا نام باقی رہے گا۔ خدا بھی پایا۔ دنیا بھی پائی۔ حکومت بھی کی اجسام پر نہیں بلکہ روحوں اور جانوں پر حکمران ہوئے۔ ان حکام میں روحانیت تھی جدھر دیکھتے لوگ ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہونا عزت و فخر سمجھتے ہیں۔ عدل و انصاف شیوہ تھا۔ جدھر قدم اٹھاتے لوگ آنکھیں بچھاتے۔ ایک علاقہ پر فاتحانہ قبضہ کے بعد اُس سے دستبردار ہوتے ہیں کہ دشمن سے دوسری طرف مقابلہ در پیش ہے۔ آس سے نبٹ لیں۔ ان کی حفاظت جو حکومت کا فرض ہے اِس وقت مشکل ہے۔ وصول کردہ جزیہ واپس کرتے ہیں۔ مگر رعیت کے افراد ہیں کہ جن پر قبضہ کئے ہفتہ عشرہ بھی نہیں گذرا

زار و قطار رو رہے ہیں۔ ہاتھ جوڑتے ہیں۔ خدا کے لئے ہمیں نہ چھوڑو۔ ہم جذیہ واپس نہیں لیتے۔ جب بھی موقع ملے ہم پر حکومت تم ہی کرو۔ ہم تمہارے بغیر کسی کی حکومت نہیں چاہتے یہ تھی اسلامی حکومت۔ بادشاہی منوانا اور چیز ہے۔ اور ماننا چیز دگر۔ حاکم وہ نہیں جو لوگوں سے حکومت منوائے بلکہ لوگ اسکی حکومت چاہیں۔

مسلمانو! اسوۂ حسنہ نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کو پڑھو۔ پھر پڑھو۔ بار بار پڑھو۔ مکررسہ کرر پڑھو۔ اور انہی قدموں پر چلو جس جگہ نبی صلے اللہ علیہ وسلّم نے قدم رکھا۔ وہاں سر کے بل چلنا پڑے تو عزت سمجھو اور اس سے سر مو اِدھر اُدھر قدم نہ آئے ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا ؛ تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ!

یہی سیدھا راستہ ہے۔ تمدنی دنیا میں جدت پسند طبائع کو اگر کوئی ایسی تہذیب جو اسوۂ نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کے علاوہ ہے۔ پیاری نظر آئے دل کو بھائے تو وہ نظر کا دھوکا ہے۔ خیال کی غلطی ہے۔ خوبصورت سانپ ہے۔ جس کے ڈسے کا علاج نہیں۔ عزّت وہ

جو اللہ دیوے اور اس کے رسول سے انحراف و خلاف ورزی کی عزت جہنم کا ایندھن بناتی ہے۔ "اخذتہ العزۃ بالاثم محبہٗ جہنم"

اللہ نے اپنے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ کو پاکستان کی حکومت دی۔ امت کا فرض ہے کہ شکریہ ادا کریں۔ خصوصاً ارکان حکومت میں سے جو جس قدر بڑے عہدہ کا مالک ہے زیادہ جھکے اور زیادہ شکرگذار ہو۔ "ولئن شکرتم لازیدنکم" شکریہ میں ازیاد نعمت کا وعدہ سچا ہے۔ اور کفران نعمت سلب نعمت اور عذاب کا موجب بنتا ہے۔ "ولئن کفرتم ان عذابی لشدید"۔ مگر لسانی اور زبانی شکریہ نہیں عملی شکریہ ہو۔ عدل و انصاف سے کام لیں۔ رشوت اور ناجائز اقارب و احباب پروری سے اعراض کریں۔ نادار آزاری ترک کر دیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "کس قدر بدبخت ہے وہ شخص جو دنیا سے کوچ کرتے وقت اولاد اور کنبہ کو توخوشحال چھوڑ جاوے۔ اور آپ خدا کے سامنے ذلت سے سرنگوں ہو"۔ "آخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین"۔

عیسےٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

عیسےٰ نام - مسیح لقب - جس کے معنے عبرانی زبان میں "مبارک" ہیں - آپ کی پیدائش بجائے خود ایک معجزہ ہے - اور اس کی تصدیق قرآن کریم نے یوں فرمائی "مثلہ کمثل آدم" آپ کی تخلیق آدم ابو البشر علیہ السلام کے مشابہ ہے - یہ امتیاز رہا کہ آدم علیہ السلام ماں اور باپ کے بغیر پیدا ہوئے - اور عیسےٰ علیہ السلام کی ماں مریمؑ موجود تھیں - باپ نہ تھا -

(اس قسم کے خوارق عادات امور کا ظہور قدرت الہٰیہ کے نشانات ہیں - ان میں شک کرنے سے عجز قدرت الہٰی کا اعتقاد رکھنا ثابت ہوتا ہے - جس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں -)

اللہ کی رأفت اور لطف عظیم جب کرم پہ آتا ہے تو اپنی مخلوقات میں سے ایک اعلےٰ گوہر پیغام پہنچانے کے لئے انتخاب کر لیتا ہے - یہ بیش قیمت موتی بھی جب نقادِ قدرت کی نظر انتخاب میں پورا اترا اور اسے اس منصب عظمےٰ کی

نوازندگی کے لئے موزوں جانا۔ تو اس کی پیدائش بھی معجزانہ
طور پر امر الٰہی سے وقوع میں آئی۔ لیکن "الذین فی قلوبھم
زیغ" کے مصداق جبلی مختوم ہر زمانہ دنیا میں ہوتے آئے ہیں۔
ان دل کے اندھوں کے لئے اتمام حجت ضروری تھا۔ اس لئے
عیسٰی روح اللہ کی والدہ ماجدہ مریمؑ کی نجابت مادری۔ شرافت
پدری اور عفت ذاتی کو کلام مجید میں وضاحت سے بیان فرمایا۔
اور اپنی شہادت سے ان کی برأت اتمام فرمائی۔ "وکفٰی باللہ
شہیدا"

اس لئے عیسٰیؑ کی پیدائش سے پہلے ان کی ماں کے متعلق
کچھ ذکر کرنا ضروری ہے۔ کہ جس اللہ کی بندی کے صدف رحم میں
اس دُرِ مکنون نے پرورش پائی وہ خود کیا تھیں۔

مریمؑ کی پیدائش کا ذکر تیسرے پارے میں یوں آیا ہے کہ
تمام عالم میں اللہ تعالےٰ نے چار نفوس کو برگزیدہ فرمایا
آدمؑ۔ نوحؑ۔ آل ابراہیمؑ۔ آل عمران۔ آدم علیہ السلام کو
تعلیم اسماء اور سجدۂ ملائکہ سے نوازا۔ اور وہ عزت دی کہ جو
ملائکہ آدمؑ کی پیدائش میں بھی مخالف تھے انہیں ہی فرمایا
کہ اس آدمؑ کی تعظیم کرو اور انہیں سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ نوحؑ

کو طول عمر عطا فرمائی۔ نہ صد ۹ پچاس سال تو تبلیغ دین اسلام فرماتے رہے۔ آخر تمام فساق و فجارِ ناہنجار کو غرق طوفان کر کے دنیا کو ناپاکوں سے پاک کیا۔ اور وہ حقیقت میں پاکستان تھا۔ جس کے بادشاہ نوح علیہ السلام آدم ثانی سے ملقب ہو کر مقرر ہوئے۔

"خدایا ہمارے پاکستان کو بھی ایسا ہی پاکستان بنا تیرے نہ ماننے والے تو یہاں سے چلے گئے۔ ماننے والے منکروں کو بھی ہدایت دے امین۔

ابراہیم علیہ السلام کو بہت سے امتحانوں میں کامیاب فرما کر اکثر انبیائے عظام کا باپ بنایا۔ چنانچہ ہمارے آقائے نامدار۔ سرور مختار۔ سید عالم محمدؐ مصطفےٰ احمدؐ مجتبےٰ فداہ ابی و امی۔ صلے اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نبوت بھی اسی درخشاں ستارے کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ چوتھے آل عمران دو شخص ہوئے ہیں حضرت موسےٰ و ہارون علیہما السلام کے باپ بھی عمران تھے۔ عیسےٰ علیہ السلام کے نانا بزرگوار کا نام بھی عمران تھا۔ جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے نہایت زاہد پارسا اور نیک فطرت انسان ہوئے ہیں۔

اس عمران کی عورت کا نام حنہ تھا جو مریم کی والدہ ماجدہ تھیں۔
حنہ کی دوسری بہن مریمؑ کی حقیقی خالہ حضرت زکریاؑ
پیغمبر خدا کی زوجہ تھیں۔ حنہ بیت المقدس کی زیارت کو گئیں
اُس زمانہ کا وہی کعبہ تھا۔ دوران عبادت میں جب پوری توجہ
الی اللہ تھی۔ حالت استغراق میں اللہ سے دعا مانگی۔ "اے
اللہ جو میری اولاد ہو گی۔ کہ اِس وقت پیٹ میں اٹھائے
ہوں۔ تیرے نام پہ آزاد کر دوں گی۔ تو مجھ سے قبول فرما۔ تو
ہی دعائیں سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔
اُس وقت کچھ رسم و رواج ایسا تھا۔ کچھ شرعی اجازت
ہو گی۔ لوگ اولاد بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کر دیا کرتے
تھے۔ جو تارک الدنیا ہو کر راہبانہ زندگی بسر کرتے۔ عبادت
الٰہی میں مشغول اعتکاف میں بیٹھے رہتے۔
اتفاق الٰہی سے حنہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ مریمؑ
(امتہ اللہ۔ اللہ کی لونڈی) نام رکھا۔ ماں غمزدہ ہوئیں۔ امید
تھی اللہ میاں لڑکا دے گا۔ کیونکہ بیت اللہ کی خدمت کے
لئے لڑکے آزاد کئے جاتے تھے۔ یہ لڑکی ہوئی۔ پھر بھی کہا۔
"اے اللہ میاں میں نے منت مانی تھی اسے تیری

نذر کرتی ہوں۔ اسے اور اس کی اولاد کو شیطان سے بچنے کے لئے تیری پناہ میں دیتی ہوں" جب یہ دعا مانگی فوراً قبول ہوئی۔ "فتقبلها ربها بقبول حسن و انبتها نباتاً حسناً" اچھی طرح قبول فرمایا اور اچھی پرورش میں رکھا۔ ماں بموجب نذر بیت المقدس میں چھوڑنے لے گئیں۔ کفالت کے لئے قرعہ اندازی ہوئی۔ پرورش کا قرعہ خالو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام پڑا۔ انہوں نے دودھ پلانے والی دائی کا انتظام کیا۔ نبی کی ماں نے نبی کے زیر سایہ خدا کے گھر میں پرورش پائی جب عمر رشد کو پہنچیں۔ زہد و عبادت میں تمام احبار و رہبان پر جو ترک دنیا کئے وہاں رہتے تھے۔ سبقت لے گئیں۔ علاوہ ازیں مریمؑ کے زمانہ تربیت میں جن خرقِ عادات واقعات کا ظہور ہُوا۔ بے موسم پھلوں کا دستیاب ہونا ہے۔ اور مریمؑ کے نساالعالمین میں برگزیدگی اور شرافت کی کئی شہادتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

پیدائش مسیح

ایک روز حضرت مریمؑ نہانے دھونے کے لئے بیت المقدس کی مشرقی طرف

اپنی خالہ سے خلوت میں ہوئیں۔ اللہ نے جبرائیل فرشتہ کو بشری لباس میں ان کے پاس بھیجا۔ مریمؑ تنہائی میں اجنبی مرد کو دیکھ کر خوف زدہ ہوئیں۔ کہا۔ اگر تو اللہ سے ڈرتا ہے تو تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ جبرائیل نے کہا۔ مریمؑ ڈرو نہیں۔ میں تو فرشتہ ہوں۔ اللہ کے حکم سے تیرے پاس آیا ہوں۔ تاکہ تمھیں ایک پاکیزہ اور نیک بخت لڑکا دوں۔ مریمؑ بولیں۔ میرے بچہ کیسا ہوگا۔ میں نے نکاح نہیں کیا۔ زانیہ اور فاحشہ نہیں ہوں۔ سچ کہتی ہوں آج تک مجھے کسی نے چھوا نہیں۔ فرشتہ بولا۔ یہ سب سچ ہے۔ کہ نہ تو فاحشہ ہے نہ تجھ سے کسی نے نکاح کیا۔ سفاحًا نہ نکاحًا کسی نے تجھ سے مباشرت کی۔ لیکن تیرا رب فرماتا ہے۔ بن باپ تجھے بیٹا دینا میرے لئے بہت ہی آسان ہے۔ میں اس لڑکے کو بن باپ پیدا کر کے لوگوں میں اپنی قدرت کا نشان ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اسے عہدۂ رسالت پر فائز کروں گا۔ یہ میری رحمت ہے اور فیصلہ شدہ امر ہے۔ تیرے لڑکا بے باپ ہی پیدا ہوگا۔ مریمؑ نفخ کلمتہ اللہ سے حاملہ ہوگئیں۔

جب وضع حمل کو پہنچیں۔ درد زہ شروع ہوا۔ لوگوں سے دور کھجور کے تنہ کے قریب آئیں۔ حقیقت سے بے خبر لوگوں کی ملامت اور طعن و تشنیع کا خیال دل میں گذرتا۔ کہتیں۔ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر گئی ہوتی۔ یا ایسی مٹ جاتی کہ کسی کی یاد میں نہ آتی۔ آواز آئی۔ مریم غم و اندوہ نہ کھا۔ اللہ کی قدرت کا ایک اور نشان دیکھ۔ تیرے بائیں جانب میٹھے پانی کی نہر چل رہی ہے۔ کھجور کے تنہ کو ہلا۔ تر و تازہ میٹھی میٹھی کھجوریں گر ینگی۔ سیر ہو کر کھجوریں کھا۔ پیاس لگے۔ پانی پی اسمیں راحت و فرحت حاصل ہوگی۔ لومتہ لائم کا دل سے خیال نکال دے۔ اگر کوئی آدمی سامنے آجا دے۔ اور بات کرنا چاہے تو اشارہ سے کہہ دے۔ میں نے "نذر اللہ" کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ کسی سے بات نہ کروں گی۔

عیسٰی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ فرشتے آئے بچہ کو نہلا دھلا سفید کپڑے میں لپیٹ مریمؑ کی گود میں دے دیا۔ وہاں سے بچہ لیکر چل پڑیں۔ بچہ اٹھائے مریمؑ آرہی تھیں۔ کہ سامنے سے آدمی آ گئے۔ بن بیاہی ماں کے پہلو میں نوزائیدہ بچہ دیکھ کر ملامت سے پکار اُٹھے۔ کہا مریم یہ کیا

بُرا نمونہ لائی۔ تیرا باپ بدکار نہ تھا۔ ماں فاحشہ اور فاسقہ نہ تھی عفیفہ اور متقیہ ماں کی بیٹی۔ تجھے کیا ہوا۔ ماں نے بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے پوچھو کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے کہا بھلا اس گود پڑے بچہ سے ہم کیا پوچھیں۔ عیسٰے روح اللہ کو اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی۔ خود بخود بول اُٹھے۔ کہنے لگے۔ اے لوگو میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اپنی کتاب دیکر مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ پیغام بر ہوں۔ جہاں کہیں رہوں موجب خیر و برکت ہوں۔ ادائے زکوٰۃ و صلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ اپنی ماں سے احسان اور نیکوئی مجھ پر لازم گردانی ہے بدبخت اور ظالم نہیں بنایا۔ میری پیدائش اللہ کی قدرت کے نشانات میں سے ایک نشان اور رحمت ہے۔ میرا یوم وفات بھی رحمت ہوگا۔ یوم حشر بھی رحمت۔ "یہ وہ شہادت ہے جو نوزائیدہ بچہ اور ہونے والے پیغمبر نے اپنی ماں کی برات میں پیش کی" اور اللہ نے یوں فرمایا کہ عیسٰے بن مریم کی پیدائش کا صحیح واقعہ اسی طرح ہے۔ لوگ غلط شک کر رہے۔ وہ ابن اللہ نہیں ہے۔ خدائے قدوس کسی کو اپنا بیٹا نہیں بناتا۔ سورۃ مریم۔

ہجرت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی قوم نے وہی سلوک کیا۔ جو ہر زمانہ ہر نبی اور ہر کلمۂ حق کہنے والے کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو خدا کا پیغام سنانے اور ثنویت سے روکنے پر ماں باپ نے گھر سے نکال دیا۔ موسیٰ کلیم اللہ نے قبطیوں اور فرعونیوں سے بھاگ کر مدین میں شعیب علیہ السلام کے گھر پناہ لی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام حق سنانے پر گھر بار چھوڑنا پڑا مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں کے لوگوں کے بخت بیدار تھے۔ ہدایت اُن کی انتظار میں تھی۔ سرورِ کائنات مفخر موجودات کو سینوں سے لگایا۔ گھر حضور کے نور سے روشن دِل نورِ اسلام سے منور۔ اہل مدینہ نے آپ کی تشریف آوری کی خوشی اور احترام میں اپنے شہر کا نام یثرب سے مدینتہ النبی تبدیل کر دیا۔ سبحان اللہ" دوران باخبر در حضور و نزدیکاں بے بصر دور" اہل مکہ اپنی بے بصری کے سبب اس نور سے محروم ہوئے۔ اور مدینہ میں جا کر اس بدر منیر کی شعائیں ایسی چمکیں کہ چار دانگ عالم کو روشن کر دیا۔ مسیح علیہ السلام نے بھی جب قوم میں پیغام حق سنانا شروع کیا۔ دعوت اسلام دی۔ توحید کا

وعظ کیا۔ یہودی مخاصمت ومنازعت کے لئے تیار ہو گئے۔
قتل کے مشورے ہونے لگے۔ عیسٰے علیہ السلام کو بھی علم ہُوا۔ کہ
قوم کے تیور بدلے ہوئے ہیں۔ شرارت پر تلے کھڑے ہیں۔
ملک شام سے بھاگ کر مصر کا رُخ کیا۔ دریائے نیل کے
کنارے پہنچے۔ ماہی گیروں کو مچھلیوں کا شکار کرتے دیکھا
کہا یہ کیا شکار ہے۔ میں تمہیں ایسا دام لگانا بتاؤں۔ کہ جو
چاہو شکار کر لو۔ تم اللہ کے بن رہو اللہ کی ساری مخلوق
تمہاری ہو جاوے گی۔

ہر چہ خواہی آں کند گر ہر چہ خواہد آن کنی
آنچہ گوئی بشنود گر ہر چہ گفت او بشنوی

انہوں نے پوچھا تو کون ہے۔ فرمایا میں عیسٰے بن مریم
اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں وہ لوگ ان پر ایمان لائے
تب ان سے پوچھا "من انصاری الی اللّٰہ" تم میں سے
کون کون اشاعت اسلام میں میری ہمراہی کرے گا۔ سب
حواریوں نے کہا "نحن انصار اللّٰہ" ہم سب اللہ کے
دین کی نصرت کرنے والے ہیں۔ اور کہا تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان
ہیں۔ اے اللہ تیری فرستادہ کتاب اور پیغمبر پہ صدق دل سے

ایمان لائے ہیں۔ یوحنا۔ پطرس۔ لوقا وغیرہ انہی میں سے بعض کے نام ہیں۔ جن کی طرف انجیل کے بعض حصے منسوب ہیں۔ (آل عمران)

معجزات عیسےٰ علیہ السلام کی پیدائش ہی بذات خود معجزہ تھی۔ مگر معاندین بے دین اور راہ بھٹکوں کو صراط مستقیم کی طرف بلانے کے لئے جو خوارق عادات انہوں نے پیش کئے۔ اور قرآن شریف میں ان کی صراحت و تفصیل موجود ہے۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) گہوارہ اور زمانۂ شیر خوارگی میں فلسفیانہ کلام سے والدہ ماجدہ کی اتہام یہود سے براٗت پیش کرنا۔ (۲) اللہ کی کتاب لانے اور حکمت سکھانے کا دعوےٰ (۳) مٹی سے پرندوں کے بُت بنانا اور ان میں کلمۃ اللہ پھونک کر باذن اللہ زندہ جانور بنا کر اُڑا دینا (۴) مادر زاد اندھوں کو بفرمان الٰہی بینائی بخشنا (۵) مبروص اور کوڑھی کو دائمی شفا دینا۔ (۶) مردے زندہ کرنا باایں ہمہ اقرار عبودیت۔

اس کے علاوہ موسےٰؑ کی قوم کی طرح عیسےٰ پر ایمان لانے والوں نے بھی کہا کہ ہمارے لئے خدا سے آسمانی کھانا منگوا۔ عیسےٰؑ

نے فرمایا لوگو توبہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ میں قدرت ہے۔ آسمان سے کھانا آسکتا ہے۔ "رزقکم فی السماء" تمہارا رزق آسمان پر ہے۔ خود اللہ نے فرمایا۔ لیکن اس قسم کی خواہش اور طلب خلاف ادب الہٰی ہے۔

لوگوں نے کہا۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہاں کا کھانا کھائیں۔ اس سے ہمارا دل مطمئن ہوگا۔ یقین محکم ہوگا۔ مانیں گے کہ جو تو وعدے کرتا ہے سچے ہیں۔ لوگوں میں اعلان کریں گے کہ خدا کا رسول سچ کہتا ہے۔

آخر عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کے اصرار پر خدا سے دعا مانگی۔ اے خدا تو آسمان سے ایسا عمدہ کھانا بھیج جو ہمارے لئے عید کا موجب ہو۔ تیری قدرت کی ایک نشانی ہو۔ تو اچھا روزی رساں ہے۔ اللہ نے کہا تیری دعا قبول ہے تمہیں رزق بھیجتا ہوں۔ لیکن جس نے میرا یہ رزق کھا کر بھی کفرانِ نعمت کیا۔ اُسے ایسے سخت عذاب میں گرفتار کروں گا۔ کہ دنیا بھر میں کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا۔

کہتے ہیں دو بادل کے ٹکڑے نمودار ہوئے۔ ان کے بیچ میں ایک سرخ رنگ کا دسترخوان حواریوں کے سامنے زمین

پر گرا۔ عیسیٰؑ رو پڑے۔ دعا مانگی "اللھم اجعلنی من الشاکرین" اے اللہ مجھے شکر گذار بندوں میں بنانا۔ کہنے لگے۔ نماز شکرانہ ادا کی۔ دستر خوان کھولا۔ بھونی ہوئی مچھلی جس میں کانٹے تک تھے اوپر کی کھال ندارد۔ گھی ٹپک رہا ہے۔ گرم ایسی کہ ابھی ابھی بھونی گئی ہے۔ دستر خوان پر اور بھی بہت سی چیزیں۔ سرکہ شہد خالص اور مصفیٰ۔ پنیر۔ روغن زیتون انواع و اقسام کے لوازمات طعام تھے۔ جو کئی لوگوں نے کھائے اور شکر گذار انعام الٰہی ہوئے۔ کچھ عرصہ بدستور آسمان سے مائدہ آتا رہا۔ پھر ایک دن چھوڑ کر پھر آگا ہے بگاہے۔ آخر کچھ مدت کے بعد آنا منقطع ہو گیا۔

کج فہمی اور اس کا ازالہ

عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش۔ رفع الی السماء احیاء اموات۔ تخلیق طیور طینی اور ان کا پرواز ابرأ اکمہ و مبروص وغیرہ ایسے معجزات تھے۔ کہ جب تک انسان کا کامل ایمان نہ ہو۔ قدرۃ اللہ پر پورا پورا یقین و اذعان نہ ہو۔ ان مافوق فطرت بشری امور کا ظہور بجائے ہدایت غوایت بن جاتا ہے "یضل بہ کثیراً و یہدی بہ کثیراً"

ایک طرف جماعت نصاریٰ نے ان معجزات کو ان کا ذاتی کمال اور قدرت نفسی خیال کرتے ہوئے ابن اللہ قرار دے دیا۔ اور الوہیت کا حلول ان میں ماننے لگے۔ اور مسیح علیہ السلام کو اس بلندی پر دیکھا کہ عبودیت ان میں نام کو نہیں رہی وہ اللہ ہیں۔ اللہ کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ پھر اس اکلوتے بیٹے کے اعداء بدنہاد کے ہاتھوں مصلوب ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے بھی ان کے عجز و ناتوانی سے عبرت حاصل نہیں کی۔ کہ عاجز خدا نہیں ہو سکتا۔ ان کے مصلوب ہونے کو اپنی خوش فہمی سے اس تاویل میں لے آئے کہ وہ اپنی امت کے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں۔ گناہ تو امت کرے۔ پھانسی خدا کا بیٹا لٹکے۔ یہ بھی خدا کا عدل ہے۔ اگر خداوند کریم اپنے بندوں کو گناہ کی سزا سے بچانا چاہتا ہے۔ تو وہ معاف کر سکتا ہے۔ اُسے معاف کرنے سے کون روک سکتا ہے۔ بیٹے معصوم کا کیا قصور کہ لوگوں کے گناہوں میں پھانسی کی سزا بھگتے۔

دوسری طرف امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جاہلوں نے الٹی ذقند لگائی اور اللہ کی قدرت کے مفہوم کو اپنی عقل کے میزان میں رکھ کر معجزات سے انکار کر دیا۔ بلکہ ان معجزات کے

وقوع وظہور میں معناً اللہ کو عاجز اور اس کی عدم قدرت کے قائل ہوئے۔ تاویلات کے گورکھ دھندوں میں پھنس گئے۔ عبارات کے ظاہری مدلولات سے انحراف کر کے تاویلی معانی نکالے بغیر باپ کے پیدا ہونا عقل نے قبول نہ کیا تو ان کا باپ تلاش کرنے لگے۔ آخر کوئی شخص یوسف نجار ڈھونڈ مارا۔ ان کے ساتھ مریم عفیفہ کا نکاح ثابت کر کے بکارت سے انکار کیا۔ رفع الی السماء میں ان کی سمجھ نے کئی مشکلات پیش کیں۔ اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے یہ عذر تراشے کہ آسمان پر روٹی پانی کہاں۔ انسان بے کھائے پیئے زندہ کیسے رہ سکتا ہے۔ "رزقکم فی السماء" اللہ فرماتا ہے۔ موسےٰ علیہ السلام کی قوم کو من اور سلویٰ آسمان سے خدا بھیجتا رہا۔ سورۃ مائدہ اس امر کی تصدیق کرتی رہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے آسمان سے کھانا آیا۔ مگر خود عیسےٰ علیہ السلام کے لئے تو آسمان پر کوئی چیز نہیں۔ اور بے کھائے پیئے زندہ بھی نہیں رہ سکتے وہاں بیت الخلاء بھی کوئی نہیں حوائج ضروریہ سے کیسے فارغ ہوتے ہونگے۔ یہ چیزیں نہ خدا پوری کر سکے گا نہ عیسےٰ آسمان پر رہ سکیں گے۔ خوئے بد را بہانہ بسیار۔

احیاءِ اموات کے معنے کفر کی موت سے اسلام کی زندگی میں لانا ہے حقیقی معنوں میں احیاءِ اموات نہیں ہے۔ ایسے ہی مٹی کے پرند بنا کر اڑانا سے بھی فیض روحانی مراد ہے۔ غرضیکہ ہر حکمت الٰہیہ کا اس وجہ سے انکار کر دیا کہ ادراک بشری اُس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

جو شخص قدرت الٰہیہ کو انسانی ادراک وعقل کے ترازو میں وزن کرے۔ بشری فہم و فراست کے پیمانہ سے ماپے اس کی سمجھ میں یہ کس طرح آ سکتا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کا چوبی عصا جو بھیڑ بکری میں راعی کی لاٹھی تھا۔ چلتا پھرتا اژدہا بن کر ساحروں کی ساختہ اشیا نگل گیا۔ وہ کیوں مانے کہ ابابیل سی چھوٹی چڑیا یا باریک باریک کنکریوں سے ابرہہ کے ہاتھیوں اور لشکریوں کو چبائے ہوئے گھاس کی مانند تباہ و برباد کر سکتی ہیں۔ اُسے کیسے یقین آئے کہ ابراہیمؑ دہکتے انگاروں میں جلتا نہیں بلکہ وہی انگارے اُس کے لئے گلزار بن جاتے ہیں اور نار نور ہو کر دل کا سرور بن جاتی ہے۔ اس کے نزدیک یہ ناممکن ہے۔ کہ ابراہیمؑ نے خدا سے احیاء اموات کے مشاہدہ کی درخواست کی ہو۔ اور اللہ نے اپنے دوست کے اطمینان قلب

کیلئے اُسی کے ہاتھ سے جانور مرنے کے بعد زندہ کر دکھائے ہوں۔

اُس سائل کے واقعہ کی حقیقت اُس کے ادراک سے باہر ہے جو ایک تباہ اور ویران بستی کے پاس سے گذرتے ہوئے سوال کر بیٹھتا ہے۔ اسے خدا تو اسے کیسے زندہ کریگا اللہ نے اُسے سو سال کی موت دیکر زندہ کر کے پوچھا "کم لبثت" کتنی دیر یہاں پڑا رہا۔ جواب میں کہا دن بھر یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ نے کہا نہیں تو پورے سو سال مرکر پڑا رہنے کے بعد زندہ ہوا۔ طعام اور اشیاء خوردنی کو دیکھ جو تیرے ساتھ تھیں۔ اتنے لمبا عرصہ کے باوجود ان میں ذرا تغیر و تبدل نہیں واقع ہوا۔ اپنی سواری کے گدھا کو دیکھ کہ گوشت پوست تک نہیں رہا۔ بوسیدہ ہڈیوں کو تر و تازہ کر دیا اس کے سامنے ان پر گوشت پوست چڑھ گیا۔ گدھا زندہ ہوا۔ غرضیکہ جسقدر بھی قرآن مجید میں قدرت الٰہیہ کے نشانات کا ذکر ہے۔ حقیقت نابین انسان ان سب امور میں تاویلات کی الجھن میں پڑا رہتا ہے۔ قرآن کریم نے عیسٰے علیہ السلام کے ہر فعل کو اذن اللہ کے ساتھ مشروط

کیا ہے۔ مردوں کو زندہ کرنا "باذن اللہ"۔ مبروص اکمہ کو شفا بخشنا "باذن اللہ" مٹی کے پرند بنا کر کلمۃ اللہ پھونکنا اور ان کو اڑانا "باذن اللہ" کسی فعل کو بھی مسیح علیہ السلام کے اپنے ذاتی ارادے کی طرف منسوب نہیں کیا۔ جو کچھ کر رہا ہے وہ سب اللہ کا ارادہ ہے۔ باایں وضاحت نصوص صریحہ قطعیہ کی تاویلات میں پڑنا اور مدلولات و معانی ظاہرہ سے اعراض کرنا اللہ کی قدرت سے انحراف نہیں تو کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: "ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر" قرآن ایمان رکھنے والوں اور نصیحت پانے والوں کے لئے ہم نے آسان کر دیا ہے۔ لیکن بہت دور کی سوجھنے والوں نے اسے ایسا معمہ بنا دیا کہ اس کی الجھن سلجھن میں آتی ہی نہیں۔

گمراہی کا موجب اور عمل بالقرآن سے دور رہنے کا باعث کچھ وہ خود غرض لوگ ہوئے۔ جن کی خواہش یہ تھی کہ ہماری ہر بات صحیح مانی جائے۔ لوگ قرآن سے ناواقف رہیں۔ عام پراپگنڈہ یہ کیا کہ قرآن سمجھنا کوئی آسان بات نہیں۔ قرآن سے تو صرف اگر بسم اللہ کی باء کا مطلب بیان کیا جائے

تو ہزاروں دفتر تیار ہو سکیں۔ عمریں گذر جائیں مطلب پورا نہ ہو۔ اس طرح تو ساری بسم اللہ کی تفسیر بیان کرنیکے لئے عمر نوح بھی کافی نہیں ہو سکتی۔

ایک دفعہ گاڑی میں ایک بزرگ صورت سفید ریش صوفی سے بات چیت کا اتفاق ہوا۔ اس نے تمثیلاً کوئی شعر پڑھے مجھے شعروں سے اتفاق نہ تھا۔ عرض کرتی پڑی قرآن تو یوں کہتا ہے۔ اس نے ایک نہ سنی۔ بلھے شاہ کی کافیاں۔ علی حیدر کے بیت وارث شاہ کے شعر پڑھکر لوگوں میں اثر پیدا کر لیا۔ صاف کہہ دیا یہ قرآن ہم نے سنا ہوا ہے۔ خود جانتے ہیں قرآن پڑھنے والے مولوی ملاں تو خود حقیقت سے بے خبر ہیں۔ مجھے خطاب کر کے کہا تو جانتا ہے عشق کے کیا معنے ہیں میں نے کہا عشق کے معنے دیوانہ پن ہیں اور علم طب میں ایک مرض ہے۔ اور بقول ایک مولانا صاحب "بدمعاشی" کا دوسرا نام بھی عشق ہے اسی لئے قرآن شریف جیسی پاکیزہ کتاب میں عشق کا لفظ کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ اس سے سخت سیخ پا ہوئے۔ میں مصر تھا۔ کہ میں ملاں مولوی نہیں صرف دو چار قرآن کی آیتیں یاد ہیں سن لو۔ آخر ان لوگوں

میں سے کچھ میرے طرف دار بھی ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کیوں نہیں سنتے۔ بمشکل رضا مند ہوئے۔ حسب موقع جو مجھے یاد تھا سنایا اور کہا کہ تم ہر بات میں پاگلوں دیوانوں مجنونوں کے اشعار کو سند کے طور پر پیش کرتے ہو۔ اللہ کی کلام سے استدلال کیوں نہیں لیتے کہا اس کا سمجھنا مشکل ہے۔ اور کہا قرآن میں اور ان میں فرق کیا ہے۔ ایک قوم نے تو یوں فیصلہ کر دیا کہ قرآن امام مہدی ہی سمجھ سکتے ہیں۔ انہی کے پاس صحیح قرآن ہے۔ وہ جب آئیں گے لائیں گے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا "الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنه" کے مصداق اپنی خود غرضیوں اور دعاوی باطلہ کے سچا ثابت کرنے کے لئے حقائق الٰہیہ پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ اور وہ تاویلیں کرتے ہیں کہ جس سے ان کے دعاوی ثابت ہوں۔ مدعیان باطل کا ذکر کسی اور موقع پر کیا جاوے گا یہاں گنجائش مقام اور وقت نہیں۔

جو ایمان دار اور پکے مسلمان اور راسخون فی العلم ہیں۔ وہ بے چون و چرا اللہ کے ہر حکم پر سر جھکاتے ہیں اور ان

کی زبان پر یہ وارد ہوتا ہے "امنا بہ کل من عند ربنا"
ہم اس پر ایمان لائے اور مانا کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے
ہے۔ بن باپ پیدا کرے یا آسمان پر لے جائے۔ لاٹھی کو
سانپ بنائے۔ آگ کو گلزار کرے۔ کسی چیز میں بھی شک
نہیں۔ "ان اللہ علی کل شیٔ قدیر"

ہر مسلمان کا ایمان ہونا چاہئے۔ (۱) عیسےٰ علیہ السلام
خدا کے پیغمبر اللہ کے بندے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔
(۲) مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ (۳) مادر زاد اندھے انکی
دعا برکت سے بینائی پاتے تھے (۴) رفع الی السماء بحکم
نص قطعی امر صحیح ہے۔ (۵) مٹی کے پرند بنا کر ان میں کلمتہ اللہ
پھونکنا اور اڑانا حق اور صحیح ہے۔ ان امور میں "کیف" کی
بحث کرنا غلط راہ روی ہے۔

"تسبح لہ السموات السبع والارض ومن
فیھن وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون
تسبیحھم۔" زمین و آسمان اور من فیہما کی تسبیحات کا
دعویٰ قرآن نے کیا ہے اور سچ کہا ہے۔ سمجھی نہ سہی کبھی
سنی بھی ہیں۔ شمس و قمر شجر و حجر خدا کا سجدہ کرتے ہیں۔

کبھی اُس سجدہ کو دیکھا بھی ہے۔ جو اس کو نہ مانے وہ قرآن کا منکر۔ اللہ سے منحرف۔ رسول سے باغی۔ جو کچھ اللہ نے کہا سچ کہا۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔ ان امور کا سمجھنا ہمارے ادراک سے باہر ہے۔ درختوں کو سجدہ کرتے کبھی نہیں دیکھا۔ پہاڑوں سے تسبیحات کی آواز کبھی نہیں سنا۔ یقین کامل اور اذعان تام رکھتے ہیں۔ کہ تمام چیزوں کی تسبیحات اور سجدہ امر واقعی ہے۔ اللہ نے ہمیں بتایا اور جو بتایا صحیح بتایا۔ ہیئت وکیف سجدہ کی جستجو ہمیں ضروری نہیں۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام یا کسی اور نبی کے معجزات ہیں جن کا ثبوت نص صریح میں موجود ہو۔ شک کرنا کفر ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کفار نا ہنجار نے کہا تیرا دوست محمد صلے اللہ علیہ وسلم کہتا ہے رات میں آسمان کی سیر کرایا گیا۔ کیا یہ ماننے کی بات ہے۔ اُس کے دل میں ممکن ناممکن کا خیال بھی نہ گذرا کہا جو کچھ خدا کا رسول کہتا ہے سچ ہے۔ وہ ایمان تھا کہ کفار کی زبان سے سن کر اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول کی تصدیق کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ ہمارا یہ ایمان کہ قرآن بلند آواز سے پکار

رہا ہے جو اللہ کا پیغام ہے۔ اللہ کا رسول ہمیں سنا رہا ہے کہ "ماقتلوہ وما صلبوہ" نہ قتل ہوئے نہ مصلوب اور طبعی موت کی نفی "بل رفعہ اللہ الیہ" سے کر دی اگر روحانی رفع مقصود ہوتا تو بیان کی بھی ضرورت نہ تھی۔ کونسا نبی ہے جس کے روح کو فرشتے آسمان پر نہیں لے جاتے اور اعلیٰ علیین میں ان کا رفع نہیں ہوتا۔ تخصیص مسیح کیوں ہوئی اور پھر اس موقع پر جہاں موت کا تذکرہ ہے اور موت کی نفی کی جا رہی ہے۔

یہی دلائل پرندوں کے بنانے روح پھونکنے اور اڑانے کے لئے موجود ہیں۔ "اولیس الذی خلق السمٰوات والارض بقادر ان یخلق مثلھم" زمین و آسمان کے بنانے کی قدرت رکھنے والے خداوند کریم کو ان معمولی چیزوں کے بنانے میں کون امر مانع ہے۔ کیا وہ خدا اپنے ایک پیارے بندے کے ہاتھ سے مٹی کے جانور بنوا کر اڑوائے تو ہم اس الجھن میں پڑ جائیں کہ یہ کیسے ہوا "انما امرہٗ اذا اراد شیأً ان یقول لہٗ کن فیکون" جس چیز کا ظہور چاہتا ہے۔ کن کہا اور ہو گئی بلکہ کسی چیز کی تخلیق میں وہ ذات لفظ

"کُن" کی بھی محتاج نہیں۔ یہ فرمان۔ کُن۔ بھی تفہیمی اور تمثیلی طور پر فرمایا ہے۔ ورنہ ارادہ ہوا اور چیز موجود۔

ہماری ناقص عقل تو خود انسانی مصنوعات کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اللہ کی قدرتوں کا کیسے احاطہ ہو سکتا ہے یہ صحیح نہیں کہ جب تک ریڈیو کی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ ہم نے مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اُس وقت اگر ہمیں کوئی کہتا کہ لندن میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی بول رہا ہے اور اس کی باتیں ہم یہاں مغربی پاکستان میں سن رہے ہیں۔ لاہور میں ایک رقاصہ گانا گاتی ہے۔ امریکہ کے انسان اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے سنتے ہیں۔ ہم کبھی نہ مانتے اور یہی کہتے کہ کتنا جھوٹ بول رہا ہے۔ اور اس کی تصدیق کرنے کی تاویل بھی کوئی نظر نہ آتی۔ یا طیاروں کے عینی مشاہدہ سے پہلے قرآن کریم کی اس آیت کے سمجھنے میں کیا کچھ سوچتے تھے۔ جس میں حضرت سلیمٰن علیہ السلام کی صبح شام کی سیر کا ذکر آتا ہے۔ "ولسلیمٰن الریح غدوھا شھر و رواحھا شھر" ہم نے سلیمان علیہ السلام کے ہوا تابع کر دی جو بمقدار مہینہ بھر کا سفر صبح کو سیر کراتی ہے۔

اور اتنا ہی شام کو۔ اب اس کا ترجمہ چھوٹے بچے کو بھی سادہ لفظوں میں سنا دیں تو وہ کہیگا ٹھیک ہے۔

جس طرح سریع السیر والطیران طیاروں نے حضرت سلیمٰن کی مہینوں سفر صبح شام سیر کو ثابت کر دیا ہے اسی طرح ریڈیو کے مشاہدہ سے خلیفہ ثانی عمرؓ کے ممبر پر مدینہ منورہ میں کھڑے ہوئے سینکڑوں میل کے فاصلہ سے سردار عسکر کو " یا ساریۃ الجبل" فرما کر دشمن کے حملہ سے آگاہ کرنا آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ فرق یہ ہے۔ ریڈیو اور طیارے عقل غیر تام کی ایجادات و آلات ہیں جس سے ہوا پر قبضہ کر کے اس سے کام لیا گیا ہے۔ اور حضرت سلیمٰن علیہ السلام اور حضرت عمرؓ نے بھی اسی ہوا سے کام لیا اور یہ ہوا عقل تام نے اُن کے تابع کر دی "ھو اھون علیہ" یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔

مولانا سعدی علیہ الرحمتہ نے اس مسئلہ کو کس خوبی سے حل کیا ہے۔ دو دوست دریا عبور کرنے کے لئے گھاٹ پر جاتے ہیں ملاح کشتی کا محصول طلب کرتا ہے۔ ایک کی جیب میں محصول کے پیسے تھے دے دئے اور کشتی پر

سوار ہو گیا۔ دوسرا خالی ہاتھ تھا اُسے ملاح سنگ دل نے
کشتی میں بیٹھنے نہیں دیا۔ اور کشتی لیکر چل دیا۔ جب دریا کے
پار پہنچے۔ کشتی کنارے پر لگ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر حیران ہوئے
کہ جس نادار اور مفلس آدمی کو محصول نہ ہونے کے باعث
دوسرے کنارے چھوڑ آئے تھے ان سے پہلے پہنچا ہوا
ہے۔ جب دوست نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا کہ بھائی
تم کیسے پہنچ گئے اُس نے کہا حیرانی کی کیا بات ہے ع
"ترا نا خدا ابرد مارا خدا" تمہیں نا خدا لایا۔ مجھے خدا
لایا۔ خالق اور مخلوق۔ اِلٰہ اور غیر اِلٰہ میں بھی امر ما بہ الامتیاز
بھی ہے۔ اگر اللہ بھی قادر نہ ہو تو پھر مخلوق اور اس میں کیا فرق
رہا۔ ریڈیو انسانی صنعت کا ایک آلہ ہے اس کا آواز ہزاروں
میل پہنچ سکتا ہے تو خدا کو بھی یہ طاقت ہے کہ عمرؓ کا آواز
اُسی ہوا میں سینکڑوں میلوں تک پہنچا دے۔ انگریز کا
بنا طیارہ نہیں تمہیں چھ سات سو میل فی گھنٹہ سیر کرا سکتا
ہے تو خدائی حکمت کا طیارہ سلیمان علیہ السلام کو
بھی صبح شام سینکڑوں میل سیر کرا سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ
کی ایجادات نے ثابت کر دیا ہے کہ کوئی چیز ناممکن نہیں۔

وہی ناممکن ہے جس کا ہمیں علم نہ ہو۔ یہی حکمت معجزات عیسٰے علیہ السلام میں مخفی ہے۔ صریح اور سادہ مفہومات سے اعراض کر کے تفسیر بالرائی اور تاویل کرتے احکام الٰہی کو جھٹلانا ہے۔

کتاب مُنزّل من اللہ

جو کتاب عیسٰے علیہ السلام پر نازل ہوئی اُس کا نام انجیل ہے۔ وہ حق ہے۔ اُس پر ہمیں ایمان لانا ایسے ہی فرض ہے۔ جیسا قرآن مجید پر۔ انجیل اور قرآن میں ذرا بھر بھی فرق جاننا کفر ہے۔ انجیل بھی اللہ کی کلام قرآن بھی اللہ کی کتاب۔ یہ بات ضرور ہے کہ ہمارا ایمان اُس انجیل پر ہے جو اللہ نے اپنے پیغامبر عیسٰے علیہ السلام پر بھیجی تھی۔ موجودہ انجیل چونکہ تحریف شدہ ہے۔ یہ اللہ کی فرستادہ مکمل کتاب نہیں کہلاتی۔ اور قرآن نے اُس کے بہت سے شرائع کو منسوخ بھی کر دیا ہے۔ اس لئے مسلمان انجیل کے احکام کا مکلف نہیں۔ یہ ایمان ضرور ہونا لازم ہے۔ کہ عیسٰے علیہ السلام خدا کے فرستادہ پیغمبر حق ہیں۔ جو انجیل ان کی طرف بھیجی گئی تھی وہ کلام الٰہی ہے اور حق ہے۔

انجیل چار حصوں میں منقسم ہے۔ متی مرقش لوقا یوحنا اور یہ چاروں نام عیسٰے علیہ السلام کے حواریوں کے ہیں ان چاروں نے اللہ کا وہ کلام جو یسوع مسیح پر اترا لوگوں کو پہنچایا اور لکھا۔ جو حصہ جس نے لکھا وہی حصہ اُس کے نام سے منسوب ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف کی سورتوں کے نام بعض اُن اشیا کے ساتھ منسوب ہو گئے جن کا اُن میں ذکر آیا سورۃ بقر میں گائے کے ذبح کا ذکر ہے۔ ال عمران میں ال عمران کا ذکر ہے علی ہذا القیاس باقی سورتوں کے نام بھی ایسے ہی ہیں۔

موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

گو یہ واقعات قبل از تاریخ کے ہیں۔ ان کے حالات تفصیل سے ملنے مشکل ہی نہیں صحت بھی یقین طلب ہے۔ ہمیں جو کچھ کتاب الٰہی سے ملا اُسی پر اکتفا کیا۔ کچھ مفسرین سے استفادہ کیا

پیدائش

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک معجزہ ہے۔ فراعنہ مصر میں سے ایک بادشاہ جس کا وزیر ہامان تھا۔ حکمران تھا۔ نجومیوں اور رمالوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص تیرے لئے پیغام موت ہو گا۔ حکومت چھن جائے گی۔ جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔

(فرعون نے حکم دیا کہ اسرائیلیوں میں جو بچہ پیدا ہو۔ لڑکی زندہ رہنے دی جائے۔ لڑکا موت کے حوالے کیا جائے۔ یہ ظلم عرصہ دراز تک جاری رہا مگر خالق کے ارادے کو مخلوق کی تدابیر کیونکر روک سکتی ہیں۔ "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیدُ" جو چاہتا ہے کرتا ہے۔)

موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ماں ترساں و لرزاں تھی
ابھی موت کے فرشتے آتے ہیں۔ معصوم بچے کو شربت تیغ
پلاتے ہیں۔ مگر اللہ میاں نے اُس کی ماں کو کہا میرے دوست
کی ماں ڈر نہیں۔ بچے کو دودھ پلا۔ صندوق میں سُلا۔ بند کر کے
دریا میں ڈال دے میں خدا اس بچے کو تیری گود میں پالونگا
دشمن کے گھر رہ کر تیرا دودھ پیئے گا۔ تیرا جگر ٹھنڈا کرے گا
میرا رسول بنے گا۔

ماں نے فوراً دودھ پلا کر صندوق میں رکھ اللہ کے بھروسے
دریا میں ڈال دیا۔ اللہ کے دشمنوں موسیٰ کے بیریوں نے صندوق
دریا میں بہتا ہوا پکڑا۔ فرعون کے پاس لے گئے۔ اُس نے قتل کا
ارادہ کیا۔ فرعون کی عورت نے جس کے دل میں ایمان درخشاں
تھا۔ سفارش کی اسے قتل نہ کرو۔ مجھے دیدو۔ پرورش کرونگی۔
ہمارے دونوں کے دل کا اطمینان ہوگا۔

پرورش ادھر ماں کا دل بے چینی سے تڑپ رہا ہے۔
کیوں نہ تڑپتا۔ ماں اور بچے کو اپنے ہاتھوں
دریا میں ڈال دیا۔ قریب تھا کہ راز فاش کر بیٹھتی۔ اللہ نے
دل کو ضبط دیا۔ صبر کر گئی۔

اپنی لڑکی کو صندوق دریا میں ڈالتے وقت اتنا کہا تھا کہ دور دور سے صندوق دیکھتی جا۔ صندوق کدھر جاتا ہے۔ جب فرعونی صندوق پکڑ لے گئے موسےٰ کی بہن بھی آہستہ آہستہ فرعون کے محلوں میں جا پہنچی۔ تجویز ہونے لگی کہ بچہ کو دودھ پلانیوالی دائی مقرر کی جائے۔ کئی دایاں بلائی گئیں۔ مگر بچہ نے کسی ایک کا دودھ بھی نہ پیا۔

موسیٰ ماں کی گود میں

جب مایوس ہوئے کہ کیا کریں بچہ دودھ کسی کا نہیں پیتا۔ موسےٰ کی بہن نے کہا میں ایک اور دائی تمہیں بتاتی ہوں۔ اُسے بھی تو بلالو۔ اپنی ماں کا نام لیا وہ بلائی گئیں۔ ماں چھاتی سے لگاتی گئی۔ بچہ دودھ پینے لگ گیا خدا نے وعدہ پورا کیا۔ کہ اس بچے کو ہم تیری ہی گود میں لوٹا دیں گے۔ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیں گے۔ خدا کی شان جس دشمن خدا نے ہزاروں بچے اس لئے ذبح کرا دئے۔ کہ اللہ کا پیغام پہنچانے والا لوگوں کو ہدایت کے راستے پر چلانے والا دنیا میں پرورش نہ پانے پائے۔ اس کی پرورش وہ خود اپنے گھر کر رہا ہے۔ جوان ہوا۔ عمر رشد کو پہنچا۔ اللہ کی بخشش سے علم و حکمت کا مالک بنا۔

ترک وطن

ہجرت انبیاء کرام کی میراث ہے۔ کبھی قوم نے نکالا۔ کبھی ماں باپ نے جلا وطن کیا۔

سفر وسیلہ ظفر کا تعلق یہاں بھی ہے۔ آخر ایک دن جب موسٰی اچھے خاصے جوان تھے۔ ایک گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ دیکھا دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی دوسرا قبطی جو قوم فرعون سے تھا۔ فرعونی اپنی حکومت کے گھمنڈ میں اسرائیلیوں کو اپنا غلام سمجھتے تھے۔ ان پر جور و ستم روا رکھتے تھے۔ اس اسرائیلی نے موسٰی علیہ السلام سے امداد چاہی۔ انہوں نے دشمن کو ایسا مکا مارا کہ سیدھا موت کے حوالے ہوا۔

اس آدمی کی موت سے موسٰی کو سخت افسوس ہوا۔ ارادہ قتل کا نہ تھا۔ نادم ہوئے۔ درگاہ الٰہی میں توبہ کی معافی مانگی۔ اللہ نے معاف فرما دیا۔ وہ غفور الرحیم ہے۔

دوسرے دن پھر ایسا ہی اتفاق ہوا وہی آدمی کسی اور سے لڑ رہا تھا۔ موسٰی وہاں سے گزرے طالب امداد ہوا موسٰی علیہ السلام نے فرمایا۔ ہر روز تیری لڑائی ہے تو مفسد ہے مگر امداد کرنی ضروری سمجھی جب چھڑانے کو آگے بڑھے قبطی

چلا اٹھا اور کہا اے موسیٰؑ ایک آدمی کو تو نے کل مار ڈالا۔ آج مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ تو صلاحیت نہیں چاہتا۔

اُسی وقت ایک اور آدمی نے آکر بتایا کہ اے موسےٰ کچھ آدمی تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ یہاں سے نکل جاؤ۔ یہ میرا آپ سے دوستانہ مشورہ ہے۔ وہاں سے بھاگے اور مدین کا رُخ کیا۔

شادی

جب وہاں سے بھاگ کر مدین کے قریب پہنچے ایک کنوأں پر لوگوں کو دیکھا۔ چرسہ کے ذریعہ پانی کھینچکر مال مویشی کو پلا رہے ہیں۔ دو نوجوان لڑکیاں دور سائے میں اپنی بھیڑیں روکے بیٹھی ہیں۔ ان سے پوچھا تم یہاں کیوں بیٹھی ہو۔ کہا ہمارا باپ بوڑھا ہے۔ نوکر ہے نہیں۔ یہ چرواہے جب پانی پلا کر چلے جاتے ہیں۔ بچا ہوا پانی ہم پلاتی ہیں۔ چرسہ ہم کھینچ نہیں سکتیں۔

موسےٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر چرسہ کھینچا پانی پلایا۔ پھر سائے میں آکر بیٹھ گئے۔ دونوں لڑکیاں اپنی بھیڑیں پانی پلا کر جب گھر پہنچیں۔ باپ کو اُس مسافر کا ذکر کیا۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر اُسے ملازم رکھ لیں تو ہم تکلیف سے چھوٹ جائیں

بعض نے لکھا ہے کہ یہ لڑکیاں حضرت شعیبؑ پیغمبر کی بھتیجیاں تھیں بعض کہتے ہیں کہ خود ان کی اپنی لڑکیاں تھیں۔ حضرت شعیبؑ نے ایک لڑکی بھیجکر ان کو گھر بلا لیا۔ احوال پوچھا۔ کون ہو۔ کہاں سے آئے۔ کس کام کے لئے آئے موسےٰؑ نے اوّل سے آخر تک تمام کہانی سنائی۔ گھر سے بھاگنے کی وجہ بتائی۔ شعیبؑ خدا کے پیغمبر تھے "ولی را ولی میشناسد" تاڑ گئے۔ فرمایا۔ خوف مت کر۔ تو ظالموں سے بچ کر نکل آیا۔

فرمایا میں تجھے اپنا داماد بناتا ہوں۔ اپنی ایک لڑکی تمہیں بیاہ دیتا ہوں۔ شرط یہ ہوگی کہ آٹھ یا دس سال میرے پاس رہے۔ میرا کاروبار سنبھالے۔ میری طرف سے تمہیں تکلیف کا ذرا بھی اندیشہ نہیں ہونا چاہیئے۔ انشاء اللہ میں تیری بہتری چاہوں گا۔ موسےٰؑ نے کہا بسر و چشم منظور۔ میرے لئے کوئی پابندی نہیں ہوگی آٹھ سال گذاروں یا پورے دس سال۔ طرفین راضی ہوئے شادی ہوگئی خوشی سے ایام بسر ہونے لگے۔

نبوّت کا ملنا جب مدت موعودہ پوری ہوگئی۔ بیوی کو ہمراہ لیا۔ وہاں سے بھی چل پڑے۔

زوجہ کو ساتھ لئے جا رہے تھے۔ دامن کوہ طور سے گذر ہوا۔ ایک طرف آگ چمکتی نظر آئی۔ عورت کو کہا تم یہاں ٹھیرو۔ وہاں سے آگ لے آؤں یا کچھ راستے کا پتہ ہی پوچھوں مثل مشہور ہے۔ "آگ لینے گئے پیغمبری لیکر آئے"۔

جب موسیٰ وہاں پہنچے ایک درخت تھا۔ دائیں جانب درخت کے پاس سے آواز آئی "انا انا اللّٰہ رب العالمین" میں تمام عالم کا رب ہوں۔ ایک جگہ آتا ہے۔ تو پاک مکان میں داخل ہو رہا ہے جوتے اتار دے۔ فرمایا جو ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ زمین پر پھینک دے۔ جب لاٹھی پھینکی تیزی سے چلتا ہوا سانپ دکھائی دیا۔ پیچھے کو لوٹے۔ آواز آئی۔ ڈر نہیں۔ تمہیں کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ اسے پکڑ لو۔ سانپ دکھتی لاٹھی کو اٹھایا۔ وہ پھر لاٹھی کی لاٹھی ہو گئی۔ یہ پہلا معجزہ عطا ہوا۔

پھر حکم ہوا۔ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالکر نکال۔ ہاتھ جیب میں ڈالا۔ باہر نکالا سورج کی طرح چمکتا دکھائی دیا۔ آواز آئی ہاتھ کو سینے پر رکھ دے تاکہ وہ خوف و ہراس جو ان دو خوارق عادت باتوں سے پیدا ہوا ہے۔ دور ہو جاوے۔

حکم تبلیغ اللہ نے فرمایا تمہیں یہ دو معجزے اس لئے دئے گئے ہیں کہ میرا پیغام لیکر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ وہ بدکار لوگ ہیں۔ عرض کی یا باری تعالیٰ میں نے ان کا ایک آدمی مارا ہوا ہے۔ ڈرتا ہوں مجھے قتل نہ کر دیں۔ میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی بھیجو۔ وہ نہایت شیریں کلام اور مجھ سے فصیح و بلیغ ہے۔ اگر فرعونی مجھے جھٹلائیں تو یہ تصدیق اور میری تائید کرے گا۔ اللہ نے فرمایا۔ تیری تمنا منظور۔ ہارون تیرے ساتھ ہو گا۔ ہیں تم دونوں کو غالب کروں گا۔ وہ تمہاری برابری نہیں کر سکتے۔ تم اور تمہارے پیرو ہمیشہ غالب ہونگے۔

موسیٰؑ اللہ کا پیغام لیکر ان کے پاس پہنچے۔ معجزات بھی دکھائے۔ منکر نہ مانے۔ کہا یہ تو جادو ہے۔ وہ خدا جس کی پرستش تم بتاتے ہو اُس کا نام آج تک باپ دادا سے بھی نہیں سنا۔

(فرعون کے زعم باطل میں موسیٰؑ کا خدا کوئی مجسم چیز ہے آسمان پر رہتا ہے۔ اپنے وزیر ہامان کو کہا۔ بہت سی اینٹیں پکا۔ ایک بلند مکان تیار کرا۔ اُس پر چڑھ کر موسیٰؑ کا

خدا تو دیکھوں ۔ غرضیکہ فرعون اور اُس کے لشکر نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کر دیا ۔ عذاب الٰہی نازل ہوا ۔ دریا میں غرق کر دیا گیا ۔

قرآن میں اس واقعہ کو مختلف جگہ پہ بیان کیا گیا ہے پ۱۶ سورۃ طہٰ پ۱۹ سورۃ شعراء ۔ سورۃ نمل میں بھی آیا ہے ۔

سورۃ طہٰ میں پچھلا واقعہ بیان کرنے کے بعد یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں بھائی فرعون کے پاس آئے ۔ فرمایا بنی اسرائیل کو عذاب سے رہا کر دو ہمارے حوالے کرو ۔ یہاں سے کسی اور علاقہ میں لے کر چلے جاویں گے ۔

فرعون نے کہا تمہارا رب کون ہے ؟

جادوگروں سے مقابلہ

موسیٰؑ میرا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ۔ سیدھا راستہ دکھایا ۔ مگر یہ بات پسند نہ آئی ۔ فرعون کہنے لگا ۔ اے موسیٰ تو یہاں سے ہمیں اپنے جادو کے زور سے نکالنا چاہتا ہے ۔ کوئی تاریخ مقررہ کرو ۔ مقابلہ کیلئے میں بھی اپنے جادوگر بلاتا ہوں ۔ موسیٰؑ نے فرمایا ۔ بہت بہتر

تیاری کر لو. جس دن تمہاری عید (یوم زینتہ) ہو گی. سب لوگ اس تقریب میں شامل ہو نگے۔

فرعون نے پوری کوشش کی جادوگروں کو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ ان میں جوش پیدا کیا کہ یہ دو آدمی اپنے جادو کے ذریعہ ہم سے ملک چھیننا چاہتے ہیں۔ ہمیں گھروں سے نکالنا چاہتے ہیں۔ سبقت اور فوقیت چاہتے ہیں۔ خبردار یہ بڑھنے نہ پائیں۔

سب جادوگر پوری تیاری سے جماعت کی صورت میں اکٹھے ہوئے۔ اُس زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ جو بھی جس قسم کا جادو جانتا تھا۔ انعام کی امید پر اپنا ہنر لیکر حاضر ہو گیا۔ بھرے میلے میں ساری دنیا ایک طرف۔ موسیٰؑ۔ ہارونؑ اور ان کا خدا دوسری طرف تعلّی سے پکار کر کہنے لگے اے موسےٰؑ تو کچھ دکھانا چاہتا ہے یا ہم اپنے جوہر دکھائیں موسےٰؑ نے کہا۔ تم ہی پہل کر لو۔ جو کچھ ہو سکتا ہے کوئی کسر باقی نہ رہے۔ انہوں نے لاٹھیاں اور رسیاں کچھ پھونک پھانک کر زمین پر ڈالیں۔ یوں دکھائی دینے لگے کہ سانپ ہیں جو موسےٰؑ کی طرف دوڑے آرہے ہیں۔ ان کے دل میں

کچھ خوف آگیا۔ مگر اللہ میاں سے آواز آئی۔ ہراساں مت ہو۔ میں تیرے ساتھ ہوں۔" فانک باعیننا" میری نظر رحمت تجھ پر ہے۔ لاٹھی جو ہاتھ میں ہے۔ زمین پر ڈال دے۔ ان سب کو نگل جاوے گی۔ موسےٰ علیہ السلام نے جونہی لاٹھی زمین پر ڈالی۔ جو کچھ انہوں نے بنایا تھا۔ ان کی لاٹھی اژدہا بن کر نگل گئی۔ جیسے سانپ مینڈک کو نگل جاتا ہے۔

وہ ساحر یہ معجزہ دیکھکر سجدہ میں گر پڑے اور کہا " آمنا برب ہارون و موسےٰ " ہم نے موسےٰ اور ہارون کے خدا کو مان لیا۔

فرعون غضبناک ہوا۔ کہا کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے یہ تمہارا استاد ہے۔ تم نے اکٹھا مشورہ کر رکھا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر کھجور کے تنوں سے لٹکا دونگا۔ پھر جانو گے کہ میرا عذاب کتنا سخت ہے۔

مگر فرعون کی گیدڑ بھبکیوں کا اثر کیا ہوتا۔ وہ ہدایت کی چاشنی چکھ چکے تھے۔ اسلام سچے دل سے قبول کر چکے تھے۔ یہ نشہ وہ نہیں جسے ترشی اتار دے، ایمان ہو تو تکالیف

ہیں لذت حاصل ہوتی ہے۔ تمام کے تمام یک زبان ہو کر پکار اٹھے۔ جو ہم نے کرنا تھا کر لیا۔ جو تو کرنا چاہتا ہے۔ کر سکتا ہے۔ کر لے۔ حق کے مقابلہ میں ہمیں ترے باطل کی پرواہ نہیں۔ یہ فانی زندگی تکلیفوں میں گذرے مگر عاقبت اچھی ہو۔ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ وہ ہمارے سابقہ گناہ معاف کر دیوے گا۔ اُس سے معافی چاہتے ہیں۔

فرعون اور اس کے لشکر کا دریا میں غرق ہونا

آخر قوم سے تجویز ٹھہری۔ رات کے وقت جب فرعونی بے خبر سوئے پڑے ہوں۔ سب بنی اسرائیل چل پڑیں۔ کچھ رات گئے حسب وعدہ چل پڑے۔ جب قبطی بیدار ہوئے۔ معلوم ہوا بنی اسرائیل نکل گئے۔ لشکر لیکر فرعون نے پیچھا کیا۔ لوگوں نے دیکھا دشمن آرہا ہے۔ خوف طاری ہوا۔ مگر خدا کے پیغمبر نے کہا اللہ نے حفاظت کا وعدہ کیا ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا ڈرو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ دریا کے کنارے پہنچے۔ دریا پھٹ گیا۔ موسےؑ بمعہ اپنی قوم دریا کے پار نکل گئے۔ فرعون انہیں پایاب ہوتے دیکھ کر وہ بھی بمعہ

لشکر دریا میں کود پڑا۔ لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ ڈوبتے ہوئے توبہ کی۔ جیسا کہ پہلے بھی عادت تھی۔ عذاب دیکھ کر توبہ کر لیتا عذاب ہٹا اور اُس نے انکار کر دیا۔ اب کے بار اللہ نے کہا موت کے یقین کے بعد توبہ کا وقت نہیں رہتا۔ غرق ہو کر واصل جہنم ہوا۔ لاش عبرت کے لئے بچالی گئی۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار"

سورۃ اعراف میں بھی یہ سارا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور زائد بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون کے پاس مختلف اوقات میں موسےٰ تبلیغ کے لئے گئے اور غرق سے پہلے اُس کو مختلف قسم کے عذابوں سے تنبیہ ہوتی رہی مگر جبلی گمراہ کو ہدایت کس طرح ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وہاں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ جب مقابلہ کے لئے جادوگر بلائے وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کو عذاب کی دھمکیاں دیں۔ کامیابی نہ ہوئی۔ موسےٰ علیہ السلام کی قوم کو طرح طرح کے عذاب دینے شروع کر دئے۔ ان کے صبر اور اس کے ظلم و ستم کے باعث قحط سالی عدم باراں کا عذاب نازل ہوا۔ ذرا آرام ہوا تو کہا ہم اس کے حقدار تھے۔ جب تکلیف ہوئی "نعوذ باللہ"

موسٰےؑ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے کہ ان کی نحوست سے
ہم پر عذاب نازل ہو رہا ہے۔
یہاں تک کہ ان پر طوفان باد و اندھیری، ملڑی۔ جوئیں
مینڈک۔ ہر چیز کا خون ہی خون ہو جاتا۔ اتنے عذاب نازل
ہوئے کہ پریشان ہو گئے۔ آخر موسٰےؑ کے دروازہ پر جھکے
اور کہا اپنے خدا سے دعا مانگ۔ ہمیں اس عذاب سے
بچائے ہم بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔ موسیٰ
علیہ السلام نے دعا کی۔ اللہ نے عذاب ہٹا لیا۔ پھر اکڑ بیٹھے
اللہ میاں نے فرعون کو دریا میں غرق کر دیا۔ ملک تباہ و برباد
ہوا۔ قبطی ہلاک و ذلیل ہوئے۔

اسرائیلیوں کی خواہش بت پرستی

جب فرعون سے بھاگ کر دریا عبور کر چکے۔ دشمن کی طرف سے اطمینان ہوا
ایک قوم کو دیکھا جو بت پرستی میں مشغول تھی۔ جھٹ بول اٹھے
اے موسٰےؑ ہمیں بھی اسی قسم کے خدا بنا دے۔ جیسے ان
لوگوں نے بنائے ہوئے ہیں۔ موسٰےؑ نے فرمایا۔ احمقو حق
کو چھوڑ کر باطل چاہتے ہو۔ اللہ نے تمہیں دنیائے عالم میں

سب پر فضیلت دی ہے۔ میں تمہیں کیسے بت پرستی میں لگاؤں۔

قانون شریعت کا حاصل کرنا

اس کے بعد موسےٰ علیہ السلام نے درگاہ الٰہی میں عرض کی کہ مجھے ایک قانون شریعت دے جس پر چل کر میں قوم کی راہنمائی کر سکوں۔ اللہ میاں نے تیس دن کا وعدہ فرمایا۔ کہ ان دنوں روزے رکھو۔ عبادت میں لگے رہو۔ پھر میرے پاس آنا۔ قوم سے علیحدہ ہو کر عبادت میں لگ گئے اور قوم کی نیابت ہارونؑ کے سپرد کی۔ تیس دن گذرنے کے بعد حکمت الٰہیہ نے دس روز اور عبادت کا حکم دیا۔

چالیس دن پورے ہوئے کوہ طور پر گئے کلام ہوئی تختیوں پر لکھے ہوئے احکام موسےٰ علیہ السلام کے سپرد ہوئے۔ اللہ کو دیکھنے کا شوق دل میں پیدا ہوا۔ عرض کی "رب ارنی انظر الیک" مجھے بے پردہ اپنا آپ دکھا خدا نے فرمایا۔ تو مجھے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالتا ہوں۔ ادھر دیکھ۔ اگر پہاڑ ٹھہری

تجلی کو برداشت کرسکا تو تو بھی دیکھ لے گا۔ وہاں تجلی کا پڑنا تھا کہ موسےٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش سنبھالا۔ عرض کی اللہ تو پاک ہے۔ میرا ملجا و ماویٰ اور مرجع و مآب تو ہی ہے۔ میں ایمان لایا ہوں۔ حکم ہوا میں نے تجھے اپنی رسالت سے نوازا ہمکلامی کے لئے برگزیدہ کیا۔ یہ میرا قانون شریعت ہے۔ اسمیں ہر چیز کی تفصیل۔ ہدایت وعظ اور پند ہے۔ قوم کو بھی کہ دے اس پر اچھی طرح عمل کریں جو عمل نہیں کرے گا اپنے کئے کی سزا بھگتے گا۔

اسرائیلیوں کا بچھڑے کی پرستش کرنا

جب موسےٰ الواح قانون شریعت لینے کوہ طور پر گئے۔ سامری نے ان طلائی زیورات کو بچھڑے کی صورت ڈھال کر۔ جو قبطیوں سے اسرائیلی مختلف حیلہ و بہانہ سے مانگ کر لائے تھے۔ اس طلائی بچھڑے کی ساخت اس حکمت عملی سے کی گئی تھی کہ اسمیں سے بچھڑے کی آواز آتی تھی۔ قوم نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ موسےٰ کوہ طور سے لوٹے۔ قوم کو گوسالہ پرستی میں پایا۔ افسوس کرتے

ہوئے غضبناک ہوئے۔ تختیاں زمین پر پھینک کر اپنے بھائی ہارون کو بالوں سے پکڑ لیا۔ زور سے اپنی طرف گھسیٹا۔

ہارون چلائے۔ میرے اماں جائے بھائی۔ مجھے لوگوں میں ذلیل نہ کر۔ دشمن نہ ہنسا۔ قوم نے مجھ پر دباؤ ڈالا۔ مار ڈالنا چاہتے تھے۔ میں دب گیا۔ مجھ سے غلطی ہوئی معافی چاہتا ہوں۔

موسٰیؑ ذرا نرم ہوئے۔ غصہ فرو ہوا۔ خداوند کریم سے مغفرت طلب کی۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ خدایا مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔ اپنی رحمت میں لے لے۔ تو ارحم الرحمین ہے۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا۔ تختیاں زمین سے اٹھائیں۔

اب پھر قوم نے انکار کیا۔ کہا یہ پیغام الٰہی نہیں۔ کیونکر مانیں کہ خدا نے تیرے ساتھ کلام کی ہے۔ ہم بھی سنیں تو مانیں اور جانیں کہ صحیح ہے۔ قوم میں سے ستر آدمی جو چیدہ اور برگزیدہ تھے۔ انتخاب کئے۔ ان کو ساتھ لیا۔ کوہ طور پر گئے۔ قوم اور موسٰیؑ کے درمیان ایک سیاہ بادل سا حائل ہو گیا۔ موسٰیؑ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل اور وہ ستر آدمی موسٰیؑ سے پس پردہ تاریکی میں مکالمہ

ہوا۔ بادل پھٹ گئے۔ ایک دوسرے کے سامنے ہوئے۔ قوم نے کہا اے موسیٰ ہم نے آواز تو سنی باتیں ہوئیں۔ لیکن ہم نے دیکھا کچھ نہیں "لن نؤمن لک حتیٰ نری اللہ جھرۃً" دیکھے بغیر ہرگز نہ مانیں گے۔ زلزلہ آیا قوم بیہوش ہو کر گر پڑی۔ موسےٰ علیہ السلام بے چین ہوئے۔ عرض کی بارِ خدایا۔ اگر اس سے پہلے مجھے اور اس قوم کو ہلاک کر دیتا تو بہتر تھا۔ خود بلایا۔ میں ان کو لایا۔ اب ان بے وقوفوں اور رذیل لوگوں کی ناشائستہ حرکات کے باعث ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ یہ آزمائش ہے۔ معاف کر دے۔ بخش دے۔ خدا نے معاف کر دیا۔

موسےٰ علیہ السلام کی قوم وہ راندۂ درگاہِ الٰہی تھی کہ قرآن ان کے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ ذرا ذرا بات پر انکار۔ خواہشات وہ جو عقل سے باہر ہوں۔ کبھی بچھڑے کی پوجا شروع کرتے ہیں۔ کبھی خداوند کریم کو ان مادی آنکھوں سے دیکھنے پر مصر ہیں۔ جب کہا جاتا ہے کہ وہاں فلاں بستی میں داخل ہو کر من بھاتی چیزیں کھاؤ۔ لیکن داخلے کے وقت گناہوں سے فلاں الفاظ کے ساتھ معافی مانگتے جانا

کہا کچھ جاتا ہے۔ کرتے کچھ ہیں۔ بطور سزا عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام معافی دلاتے ہیں۔

پانی کے لئے جنگلوں میں بھٹک رہے تھے موسیٰ نے خدا سے پانی مانگا۔ حکم ہوا۔ پتھر پر اپنی لاٹھی مار۔ لاٹھی ماری پانی کی بارہ نہریں چل پڑیں۔ بارہ ہی جماعتوں میں تقسیم تھے۔ ہر ایک گروہ نے ایک ایک چشمہ پر قبضہ کر لیا۔

آسمان سے من اور سلویٰ خدا نے لذیذ کھانے دیئے۔ کہا ہمیں ایک غذا پسند نہیں۔ خدا کو کہو کہ ہمیں زمین سے سبزیاں۔ ککڑیاں۔ لسن۔ پیاز۔ دال مسور کی قسم کے کھانے دیوے۔ حکم ہوا شہر میں داخل ہو جاؤ۔ جو سبزیاں مانگ رہے ہو وہی ملیں گی۔ لیکن انعام الٰہی کی اس ناشکری کے باعث ذاتی ذلت کی زندگی بسر کر دگے۔

ایک دفعہ مچھلیوں کے شکار کے لئے حکم دیا گیا کہ شنبہ کے دن کے بغیر روز شکار کرو۔ یہ بھی ایک امتحان تھا۔ ان کے شکار کی جگہوں میں چھ روز تو ایک مچھلی بھی نہ آتی شنبہ کے روز بے شمار مچھلیاں تیرنے لگ جائیں۔

حیلہ سازی کج فطرت انسان کی عادت ہے۔ بڑے سے

بڑے تالاب بنالئے ان کا تھوڑا سا راستہ سمندر میں ملادیا جہاں سے مچھلیاں آسانی سے آسکتی شنبہ کے روز جب مچھلیاں تالاب میں بھی آجاتیں۔ واپسی کا راستہ بند کردیتے اور دوسرے دن اس تالاب میں سے تمام مچھلیاں پکڑ لیتے اور حکم خداوندی کی یہ تاویل کردی کہ ہم نے شنبہ کو تو نہیں پکڑیں۔

ان حرکات ناشائستہ اور عادات ناشائستہ سے اللہ میاں غضب میں آئے فرمایا "کونوا قردۃ" ذلیل بندر بن جاؤ۔ وہ لوگ بندر بن کر جنگل میں بھٹک کر مر گئے۔

یورپ کے یہودی بھی انہی اسلاف کے خلف ہیں۔ ان کا نہ دین ہے۔ نہ مذہب۔ سرمایہ داری ان کا ایمان خودغرضی شیوہ۔ جرمنوں نے اپنے ملک سے نکال دیا۔ امریکہ نے جگہ نہ دی۔ روس نے دھتکارا۔ برطانیہ نے پھٹکارا کوئی منہ نہیں لگاتا۔ عرب کے مسلمانوں کو کمزور دیکھکر سب نے ان کو فلسطین میں دھکیل دیا۔ وہاں ان کی امداد سارے کر رہے ہیں۔ باپ وہ تھے جو اللہ کی نافرمانی میں کبھی بندر بنے۔ کبھی جنگلوں میں بھٹکے۔ بیٹے یہ ہیں کہ

اپنے جور و ستم کا تختۂ مشق مسلمانوں کو بنایا ہوا ہے۔
یہ سارے قارون کی اولاد سے ہیں۔ قارون بھی راندۂ
درگاہ الٰہی موسےٰ کا چچیرہ بھائی تھا۔ جس کی سیاہ بختی کا
قصہ قرآن میں واضح طور پر موجود ہے۔ زمین میں دھنس گیا
مگر اللہ کے دئیے ہوئے رزق میں سے اللہ کے نام پر ایک
حبہ بھی دینا گوارا نہ کیا۔

وفات کہتے ہیں موسےٰ صفی اللہ موت کو پسند نہ فرماتے
تھے۔ ایک دن یوشع بن نون نبی کے پاس
جب جا گئے۔ "عموماً صبح و شام ان کے پاس جایا کرتے تھے"
پوچھا ای اللہ کے نبی آج خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا
بات کی۔ وہ کہنے لگے اے موسےٰ ہمیشہ خدا تم سے باتیں
کرتا ہے۔ کبھی میں نے بھی پوچھا کہ کیا بات چیت ہوئی تو کیوں
پوچھتا ہے۔ اس روکھے پھیکے جواب سے زندگی سے مایوس
ہوگئے اور موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگے۔

حدیث شریف میں مسلم اور بخاری نے متفقہ طور پر
بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ
جب اللہ نے ملک الموت کو موسےٰ علیہ السلام کے پاس

جان قبض کرنے کو بھیجا انہوں نے عزرائیل کو ایسا تھپیڑ لگایا کہ آنکھ نکال دی۔ عزرائیل اللہ میاں کے پاس آئے اور عرض کی اے خدایا تونے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیج دیا جو موت چاہتا ہی نہیں۔ اللہ نے فرمایا تو پھر اُس کے پاس جا اور اُسے کہدے کہ اپنا ہاتھ بیل کے اوپر رکھے۔ جتنے بال پنجے کے نیچے آجاویں اتنے سال زندگانی ہوگی۔ چنانچہ جب ملک الموت نے جا کر یہ خوشخبری سنائی تو موسےٰ علیہ السلام پوچھنے لگے کہ پھر اس کے بعد کیا ہوگا۔ فرشتہ نے کہا وہی موت۔ موسےٰؑ بولے پھر آخر جب موت ہے آج ہی مرنا بہتر لیکن مجھے بیت المقدس کی زمین میں لے جا کر وہاں ایک ڈھیلا پھینکنے کے فاصلہ پر جان قبض کر کے دفنایا جاوے۔ بیت المقدس کی خواہش محض تقدس مکان کی وجہ سے کی۔ موسےٰؑ کی عمر ایک سو بیس [۱۲۰] سال تک پہنچی۔

بعض نے موت کا یوں واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک جگہ سے گذر رہے تھے۔ فرشتوں کی ایک جماعت قبر کھود رہی تھی۔ قبر دیکھ کر حیران رہ گئے نمر سبز جگہ

عمدہ قبر۔ پھولوں کی خوشبو۔ پوچھنے لگے یہ کس کی قبر ہے۔ میں نے آج تک ایسی عمدہ قبر اور مقام قبر نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا ایک اللہ کے برگزیدہ اور چیدہ پسندیدہ بندے کے لئے ہے۔ اگر آپ کو پسند ہے تو آپ اس میں لیٹ جاویں۔ کہنے لگے مجھے نہایت پسند ہے۔ چنانچہ اس میں لیٹ گئے اللہ کی طرف متوجہ ہوئے فرشتہ نے جان قبض کر لی۔ اور ان فرشتوں ہی نے اس قبر پر مٹی ڈالی۔ یوں بھی روایت ہے کہ فرشتے بہشت سے سیب لائے۔ وہ سنگھا کر جان قبض کر لی۔

ان روایات اور حدیث کے ظاہراً خلاف عقل ہونے سے بعض ملاحدہ نے انکار کیا۔ مگر جب اس بات پر ایمان ہے۔ کہ جان لینے والا اللہ جان دینے والا خدا سے باتیں کرنے والا پیارا نبی۔ "خدا کی باتیں خدا ہی جانے" ہمارا ایمان ہے کہ کوئی چیز بھی بعید از قیاس نہیں۔

ہماری عقل کوتاہ مادی دنیا کی معمولی معمولی باتیں سمجھنے سے قاصر ہے۔ خدا اور نبی کے معاملات میں رائے زنی کرنا کتنی حماقت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ

ازل سے سنت اللہ اسی طور پر ہے کہ جب کفر و شرک کے دل بادل دنیائے عالم پر پھیل جاتے ہیں۔ الحاد و زندقہ کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ بنی آدم کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ عادات سیئات ہو جاتی ہیں۔ محاسن و محامد کی جگہ ذمائم و معصیات لے لیتی ہیں۔ نیک خصائل رذائل بن جاتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے بنی نوع انسان میں سے ایک ایسے آدمی کو انتخاب فرماتا ہے۔ جس کی فطرت سلیم جبلت پاک۔ سیرت و صورت میں یکتائے روزگار اور نیابت الٰہی کا بار گراں اٹھانے کے قابل ہو صلب پدر اور رحم مادر میں بھی اپنے انفس الزار سے چار دانگ عالم میں روشنی پھیلاتا رہا۔ کیونکہ بحکم "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایلچی اور پیغامبر بنانا ہوتا ہے۔ اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ صحیحین میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو ایک

پلڑے میں رکھتا ہے اور تمام مخلوقات کو دوسرے پلڑے میں۔ پھر بھی جب رسول والا پلڑا جھک جاوے تب نبی بناتا ہے۔ زاں بعد مکتب قدسی میں اس کی تعلیم و تربیت کی تکمیل کی جاتی ہے۔ " یصرفھم اللہ کیف یشآء " نیکی سکھائی جاتی ہے۔ برائیوں سے روکا جاتا ہے۔ جن امور سے وہ ناواقف ہوتے ہیں۔ ان کی تعلیم دی جاتی ہے ان کی حرکات سکنات۔ رفتار۔ گفتار نشست برخاست اکل وشرب۔ محیا و ممات جملہ امور خدائے عالم الغیوب کے زیر نظر ہوتے ہیں " فانک باعیننا " جہاں جاتے ہیں خدا ساتھ ہوتا ہے۔ قدم اٹھاتے ہیں تو خدا کے حکم سے بیٹھتے ہیں تو خدا کے حکم سے۔ ان کی زبان خدا کی زبان ہوتی ہے۔ ان کے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ " ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ " ان کی نگرانی کے لیے فرشتوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ رہتی ہے۔ تاکہ وہ اپنے تبلیغی پروگرام کو پورا کرسکیں۔ اور کوئی طاقت مانع وحارج نہ ہو۔ " فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدًا لیعلم ان قد ابلغو رسالات

ربّهم واحاط بما لدیهم واحصیٰ کل شیءٍ عددا۔" سچائی ان کا لباس۔ صداقت ان کی غذا۔ راستی ان کا شعار و دثار ہوتا ہے۔ جس خدائے لایزال نے عرب جیسی قسی القلب "اشد کفرا ونفاقا" قوم کو سدھارنے کے لئے ایک یتیم۔ نہیں بلکہ دُرِّ یتیم کو منتخب کیا۔ جو لوگ برائیوں میں اپنی آپ نظیر تھے۔ فتنہ و فساد۔ غارت گری و ڈکیتی۔ حرب و سلب جیسے اوصافِ رذیلہ پر اتراتے تھے۔ قماربازی۔ شراب خوری۔ توہم پرستی۔ بت پرستی اُن کا مذہب تھا۔ زندہ لڑکیاں زمین میں گاڑ دینا عیب نہ جانتے تھے۔ تہذیب و شائستگی سے نفرت۔ عادات بہیمیہ و سباعیہ سے موانست رکھتے تھے۔ ان میں دس سال کے قلیل عرصہ میں وہ نظام پیدا کیا۔ تعلیم و تربیت کی ایسی رُوح پھونکی۔ کہ وہی لوگ دنیا کے استاد کہلائے۔ فلسفہ و حکمت کے معلم بنے۔ اہل یورپ کو تہذیب کا درس دیا۔ یونانیوں پر فوقیت حاصل کی۔ اہل ہند کو توحید کا سبق پڑھایا۔ ایران کے آتش کدے بجھائے۔ اندلس کو آباد کیا۔ جبل الطارق پر فتح کے جھنڈے لہرائے۔ غرضیکہ اپنے اخلاق کا وہ نمونہ

پیش کیا۔ جو آجتک نہ کوئی قوم پیش کر سکی۔ اور نہ آئندہ کر سکے گی۔ اس یتیم نے شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک ایک خدا کا نام لینے والی ایک مرکز پر جمع ہونیوالی قوم بنادی۔

جس خدائے قدوس نے الوہیت کے مدعی عساکر و خزائن کے مالک فرعون جیسے سرکش کا سر کچلنے کے لئے دریا میں بہتے ہوئے بچہ کو اس کے گھر پہنچایا۔ منجموں۔ رمالوں قرعہ اندازوں۔ قیافہ شناسوں کے علوم پر ایسی تاریکی کا پردہ ڈالا۔ کہ جس فرعون کش مولود مسعود کا پتہ اس کی پیدائش سے کتنا پہلے دے چکے تھے۔ اور اس خبر پر بنی اسرائیل کی اولاد نرینہ عرصہ دراز تک فرعونی دست درازیوں کا تختہ مشق بنی رہی اور پیدا ہوتے ہی موت کے گھاٹ اتار دیجاتی۔ اللہ میاں نے اُسی دشمن شرک و کفر کو منصۂ ظہور میں لا کر فرعون کے گھر اُس کے دستر خوان پر اس کی نگرانی میں اس کی تربیت کی۔ اور اکل حرام سے بچنے اور ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کرنے کی خاطر ماں کے دودھ سے پالا قربان جایئے اُس حکیم کی حکمت کاملہ کے کہ دشمن کی گود میں دشمن کو بڑا کر کے اسی

کے ہاتھ سے اُس کا سر کچلایا۔ جس دریا سے بنی اسرائیل پایاب
اُترے اُسی آنِ واحد میں فرعون بمعہ لشکر و عسکر جاہ و حشمت
غرق ہوکر "اغرقنا آل فرعون" کی عبرت انگیز کہانی
چھوڑ گیا۔ اُسی جبار و قہار خدا نے نمرود مردود جیسے بے قدرت
خدا کو ذلیل و خوار کرنے کے لئے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو دنیا میں بھیجکر اپنی قدرت کا اظہار کیا۔ سوادِ عراق میں بابل
کے جنوب میں دریائے فرات کے کنارے اُور نام ایک شہر بستا
تھا۔ جس کے کھنڈر اب بھی ساحل بحر سے ۱۲۵ میل اور
کنارِ دریا سے چھ میل کے فاصلہ پر پائے جاتے ہیں جہاں
کہ اب قصبہ مغیر کی آبادی ہے۔ یہ اس مقام کے قریب ہے
جہاں دجلہ کی ایک شاخ جس کا نام شط الحی ہے۔ دریائے
فرات میں آکر شامل ہوتی ہے۔ اس شہر میں ایک شخص
تارح نام رہتا تھا۔ جو آٹھویں درجہ پر حضرت نوح کا بیٹا
تھا۔ نوح ابھی زندہ تھے۔ ان کی عمر ۹۲۰ برس تھی۔ تارح
نمرود کے دربار میں رکن اعظم اور مشیر خاص کے منصب پہ
مامور تھا۔ اس کے دو بیٹے ہاران اور نحور تھے۔ اور ستر برس
کی عمر میں تیسرا بیٹا ابراہیمؑ پیدا ہوا۔ ہاران اپنے باپ کی زندگی

میں ایک بیٹا لوطؑ اور ایک لڑکی چھوڑ کر مرا۔ اور ابراہیم کا باپ تارح ۲۰۵ برس کی عمر گذار کر مرا۔ اور ابراہیمؑ کی اولاد دنیا میں پھیلی۔ خدا کے گھر کی بنیاد رکھی۔ چار دانگ عالم میں توحید کا ڈنکہ بجایا۔ وحدت کی روشنی پھیلائی۔ گمراہی کو مٹایا۔ ہدایت کا راستہ دکھایا۔ دلائل سے۔ براہین سے۔ صبر و استقلال سے حکمت و فلسفہ سے۔ مناظروں اور مباحث سے اعدائے بدنہاد کو لاجواب کیا۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تولد اور بچپن

تولد اور بچپن چونکہ یہ واقعات زمانہ تاریخ سے بہت پیشتر کے ہیں۔ تاریخ ان کی تفصیل سے قاصر ہے۔ مذہبی کتب نے اجمالاً جو کچھ اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی بنیاد پر مؤرخین اور مصنفین نے قیاس آرائیاں کیں۔ قیافے دوڑائے۔ ایک زمانہ تھا جسے نمرود خدا کی بادشاہت کا زمانہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ بت پرستی کا عروج تھا۔ توحید دلوں سے مٹ چکی تھی۔ مخلوق کے ذی اثر افراد خالق کا درجہ

حاصل کر چکے تھے۔ خالق کون و مکان کا نام و نشان نسیاً منسیاً
ہوچکا تھا۔ نمرود سلطان مطلق العنان الوہیت کا مدعی۔ رعیت
دل و جان سے اُس کی پوجاری۔ منجموں اور قرعہ اندازوں نے
نمرود کو اطلاع دی۔ کہ قریب ترین ساعات میں ایک شخص
تیرے ملک میں پیدا ہونے والا ہے۔ جو تیرے آبائی مذہب
کو مٹا دے گا۔ وحدت الٰہی کا پرچارک ہوگا۔ نمرود مردود
نے کوشش کی۔ کہ ایسا شخص پیدا ہی نہ ہو۔ یا پیدا ہوتے ہی
مذہب کے مٹانے سے پیشتر اُسے مٹا دیا جائے۔ مگر خدائے
بے چون و چرا کی حکمت نے کہا۔ کہ اب کثرت کی "تاریکی کو
مٹا کر وحدت کی روشنی پھیلائی ہی جائے گی۔ فسق و فجور کے
تیرہ و تار اور سیاہ بادل پھٹ جائیں۔ عفت و عصمت کا
آفتاب عالمتاب چار دانگ عالم میں خدا پرستی کی شعاعیں
پھیلا دے۔ انھم یکیدون کیدا و اکید کیدا"
کفار ناہنجار توحید مٹانے کی کوشش کرلیں۔ میں ان کے
تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دوں گا۔ مٹا دونگا۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے۔ تربیت ربانی۔
بڑے ہوئے۔ عمر رشد کو پہنچے۔ نور وحدت پرستی سے دل

روشن ہوا۔ خداوند کریم نے زمین و آسمان کی حقیقت چشم بصیرت سے دکھادی۔ دلائل وشواہد سے علم یقین کا درجہ پالیا۔ خداوند کریم کے انعاموں سے بہرہ ور ہوئے۔ آنکھیں کھل گئیں۔ قوم کی ضلالت اور گمراہی روز روشن کی طرح ظاہر ہوئی۔ والد کو پکارا" کیا آپ بتوں کو خدا مانتے ہیں آپ کو آپ کی قوم کا یہ فعل مجھے بتا رہا ہے کہ آپ اور آپکے متبعین صریح گمراہی میں ہیں۔

سوچنے لگے کہ اس قوم کو کس طرح راہِ ہدایت دکھلائی جاوے۔ خدا کا راستہ دکھانے کے لئے کس حکمت عملی سے کام لیا جاوے۔ خداوند کریم نے فطرت ہی میں استدلال کا مادہ ودیعت کیا تھا۔ ہر کام میں تدبّر و تفکّر کو پیش نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ بعض نے لکھا ہے۔ کہ ایام طفولیّت میں ایک دفعہ ماں سے پوچھا۔ "امّی جان! میرا رب کون ہے؟" ماں۔ بیٹا میں"۔ ابراہیم:۔ پھر آپ کا رب کون ہے؟ ماں:"تیرا باپ"۔ ابراہیم:۔ ابّا جان کا ربّ کون؟ ماں:۔"نمرود ہمارا مالک۔ ہمارا بادشاہ"۔ ابراہیم:۔ ہمارے بادشاہ نمرود کا خدا کون ہے؟ یہ ایسا سوال تھا کہ ابراہیمؑ کی ماں لاجواب

ہوگئی۔ "فسکتت" خاموش ہوکر رہ گئی۔ فبہت التی کفرت دل میں تاڑ گئی کہ جس مولود کے متعلق کاہنوں اور رمالوں نے پیشین گوئی کی تھی۔ وہ نئے دین کا بانی یہی بچہ ہوگا۔

اب ابراہیمؑ اِسی سوچ و بچار میں رہتے کہ کسی طریق تدریجی کو کام میں لایا جاوے۔ جس سے گمراہ قوم کی رہنمائی بھی ہوسکے۔ اور قوم نئے اصول سُن کر متوحش و متنفر بھی نہ ہو۔ اور اصولِ صحیح اور حکمتِ عملی کا مقتضا بھی یہی ہے۔ کہ جس قوم کی راہنمائی مقصود ہوتی ہے۔ پہلے اُس کے بعض اصول کو سطحی نظر سے ماننا پڑتا ہے۔ تاکہ حسب موقعہ استدلال سے ان کو اور ان کے طریق کار کو غلط ثابت کیا جاوے "چنانچہ ایک حواری کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک ایسی بُت پرست قوم میں اس کو چندے قیام کا موقعہ ملا۔ جسے ہدایت کرنی مقصود تھی۔ پہلی نظر میں بُت کی تعظیم کی جب قوم تھوڑے دنوں بعد اُس کی طرف مائل ہوئی۔ اور اپنے اکثر امور میں اُس سے مشورہ لینا شروع کیا۔ اور وہ موقع کی انتظار میں رہتے تھے۔ اتفاقاً ایک زبردست دشمن نے قوم پر چڑھائی کی جس کی مقاومت اور مقابلہ محال نظر آتا تھا۔ حسب معمول

قوم نے اُس سے مشورہ طلب کیا۔ حواری نے کہا۔ کہ اس کے بغیر کیا چارہ ہے۔ کہ بڑے بُت سے استمداد چاہیں۔ تاکہ ہماری مشکلات حل ہو جاویں۔ قوم نے اُس بُت کے گرد جمع ہو کر آہ و بکا۔ التجا و التماس۔ گریہ و زاری شروع کی۔ آخر جب کوئی کامیابی کی صورت نظر نہ آئی اور ثابت ہو گیا۔ کہ یہ سنگین صنم تو سنگین دِل ہے۔ اِس سے نفع کی اُمید نہ ضرر کا خطرہ۔ رحم اِس میں نہیں۔ کرم سے آشنا نہیں۔ اب موقعہ تھا۔ حواری نے کہا۔ پھر ایسے عاجز خدا کی پرستش سے ہمیں کیا فائدہ خدائے قدوس سے التجا کریں۔ وہ ذات قاضی الحاجات حل المشکلات ہماری بلیّات کو رد فرما دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ بحکم "پکارنے والوں کی دعائیں سُنتا اور قبول کرتا ہوں"۔ دعا منظور ہو گئی۔ دشمن ناکام پھرا۔ ارادوں میں کامیاب نہ ہُوا۔ قوم کو رنج و اندوہ سے نجات ملی۔ سب کے سب مسلمان ہو گئے"۔

جب قوم میں ستارہ پرستی کو زوروں پر دیکھا۔ بالتدریج انہیں جہالت سے آگاہ کیا۔ توہم پرستی کو مٹایا۔ روشن کر دیا کہ ستارہ پرستی۔ صنم پرستی توہم پرستی کی بنا پر ہے۔ جب رات شروع ہوئی۔ چاند آخری عشرہ میں ہوگا۔ جو دیر سے

طلوع کرتا ہے۔ روشن ستارے آسمان پر جگمگاتے دیکھ کر پکارا۔ کہ نہیں ان کو خدا مان لیتا ہوں۔ جب انہوں نے زوال کی طرف منہ رکھا" فلما افل جب غائب ہوگئے۔ فرمایا زوال پذیر چیز کو خدا ماننا بعید از انصاف بھی ہے۔ خلاف تیار بھی ہے۔ لا احب الافلین زوال پذیر اور غروب ہونے والی چیز کو میں خدا ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس سے بہتر کوئی چیز تلاش کریں۔ وہ خدا ہو تو مان لوں گا۔ چاند نکلا تمام عالم کو منور کیا۔ کہا۔ ہاں۔ یہ اس سے بہتر ہے۔ یہ خدا ہے "فلما رالقمر بازغا قال ھذا ربی" مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی غروب ہوا۔ فرمایا۔ اگر مجھے خداوند کریم ہدایت نہ فرماتا تو شاید ایسی سریع الزوال چیز کی پرستش کر کے مشرک ہو جاتا۔ مگر خداوند کریم کی رحمت ہے کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ آخر نیر اعظم آفتاب عالمتاب نے ضیائے عالم کو روشن کیا۔ ستاروں اور سیاروں کے بادشاہ نے دربار دنیا کو اپنی شعاعوں سے منور کیا۔ اس کی سواری آنے پر ستاروں نے منہ چھپا لیا۔ چاند کا منہ فق ہوگیا۔ ابراہیم فرمانے لگے "ھذا ربی ھذا اکبر" چند گھنٹے دن کی سیر کے بعد اس کی سواری بھی بحر مغرب میں

ایسی ڈوبی. کہ گھنٹوں سر نہ نکالا۔ فرمایا. اے قوم مجھے تو تمہارے ان سب معبودوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملا. جس کی عنانِ قدرت اپنے ہاتھ میں ہو۔ یہ تو کسی اور دستِ غالب کے ماتحت شب و روز چرخِ گرداں پر سرگرداں ہیں. میں ایسے سب معبودوں سے بیزار ہوں۔

"انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین" میں تو اُس بڑی ہستی اور برتر طاقت کو خدا مانتا ہوں. جس نے زمین آسمان بنا کر سورج چاند ستاروں کے جگمگاتے موتی اس میں ٹانک دیئے۔ اب اس آخری مرتبہ پر پہنچکر قوم کے بعض ہٹ دھرم افراد نے جب ستانا اور جھگڑنا شروع کر دیا. مگر خدا کے حق پرست بندہ نے سب کو یہی جواب دیا کہ "تم اللہ کے بارے میں میرے ساتھ جھگڑتے ہو. اللہ نے مجھے راہنمائی کی۔ مجھے تمہارے ان عاجز خداؤں کا جنہیں حقیقی خداوند کریم کا شریک بناتے ہو. ذرا بھی ڈر نہیں۔ میرے خدا کو جو منظور ہو گا وہی ہو گا۔ وہ بڑا علیم ہے۔ اور میں ڈروں بھی کیسے. جب تم حقیقی خدا سے نہیں ڈرتے تو تمہارے خود ساختہ خداؤں سے میں کیوں ڈروں۔

ذرا غور تو کرو۔ اور بصیرت سے کام لو۔ کس کی زندگی زیادہ محفوظ و مامون ہے۔ خدائے قدوس کا پجاری یا بے قدرت خداؤں کو ماننے والا" سورۃ انعام ایت ۷۵ لغایت ۸۳۔

یہاں سے صریح تبلیغ کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اور ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو طرح طرح کی مصائب برداشت کرنی کرنی پڑتی ہیں۔ ماں باپ متنفر۔ خویش واقارب بیزار۔ قوم مخالف۔ بادشاہ وقت خون کا پیاسا۔ مگر" انا معکی" پکارنے والی ذات حامی و مددگار ہے۔ ببانگ دُہل کھلے لفظوں قوم کو کہدیا:۔

ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا پہلا امتحان

ابراہیم:۔ یہ بُت کیسے ہیں جن پر جھکے پڑے ہو؟

قوم:۔ "ہمارے باپ دادا ایسے ہی کرتے آئے ہیں"

ابراہیم:۔ تم اور تمہارے اباؤ اجداد ظاہراً گمراہی میں تھے۔

قوم یہ نرالی کلام سن کر متعجب ہوئی۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بدگمان بھی نہ تھی۔ خیال آیا کہ شاید خوش طبعی کر رہے ہوں۔ پوچھا کہ آپ تمسخر اڑاتے ہو یا سچ کہتے ہو؟ فرمایا نہیں

یں صحیح راستہ بتاتا ہوں۔ اور ٹھیک کہتا ہوں کہ ہمارا رب تمہارا خالق وہ پروردگار ہے جس نے زمین آسمان کو بنایا۔ "وانا علی ذٰلک من الشاھدین"۔ اگر تم لوگ بت پرستی سے باز نہ آئے۔ تو خدا کی قسم تمہارے بتوں کی وہ گت بناؤں گا۔ کہ تم ذلیل ہو جاؤ گے۔ یہ وعدہ معمولی لفظوں میں نہ تھا۔ حلفی اور حتمی وعدہ تھا۔ تھوڑے دنوں میں پورا کر دکھایا۔ "فجعلھم جذاذاً" ایک مہابت کو چھوڑ کر سب ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اور اس کا چھوڑنا بھی محض اس غرض سے تھا کہ اس کے ذریعہ انہیں عبرت دلائیں گے۔ سبق پڑھائیں گے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بت شکنی سے انکار کیا۔ وہ حقیقت کو نہیں سوچتے۔ روایت کو درایت کی کسوٹی پر نہ لا کر بودی تاویلات سے صحیح ماننے کے عادی ہو چکے ہیں۔ جو ابراہیمؑ قوم کو علانیہ قسم اُٹھا کر یہ کہنے سے نہیں جھجکتے کہ "تاللہ لاکیدنّ اصنامکم" بھلا وہ اپنے فعل سے انکار کیوں کر کرتے ہیں۔ بڑے بت کو بھی محض اس لئے چھوڑ دیا۔ کہ یا تو وہ اِس خدائے خود تراشیدہ سے بت شکن

کا پتہ چلائینگے۔ قاعدہ ہے کہ مصائب و مشکلات کے وقت اپنے معبودوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ۔ اور اس قوم کے لئے جن کے موہومہ خدا ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہوں۔ اس سے بڑی مصیبت کیا ہو سکتی ہے ۔ یا الیہ کا مرجع لعلھم الیہ یرجعون" میں ابراہیمؑ ہوں۔ تو آیت کا یوں مفہوم ہوگا۔ کہ جب قوم ابراہیمؑ کی طرف رجوع کرے گی" اور یہ یقین ہے۔ کہ یہ الزام ابراہیمؑ پر ہی آنا تھا جبکہ پہلے علانیہ کئی دفعہ وہ اُن جمادی خداؤں کی مذمت کر چکے ہیں حلفیہ وعدہ ہے۔ کہ میں ایسا کروں گا۔ یہ براہین قاطع اور دلائل واضح سے انہیں لاجواب کریں گے۔ کہ اے احمقو! وہ خدا ہی کیا ٹھیرے جو بندوں سے مار کھائیں۔ جنہیں بسر پھوٹے جائیں۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اپنی جان نہ بچا سکیں۔ فریاد تک نہ کر سکیں۔ کسی کو بتا نہ سکیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ قوم نے جب بتوں کو شکستہ حالت میں دیکھا تو چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ ایک نے کہا " وہ کون ظالم ہے جس نے ہمارے خداؤں کا یہ حال کیا۔ دوسرے نے کہا۔" ابراہیم نام ایک

نوجوان ہے۔ جو ہمیشہ اِس معاملہ میں بات چیت کیا کرتا ہے"
تیسرے نے کہا۔ کہ اُسے سامنے تو لاؤ۔ شائد کچھ پتہ چلے یا
کوئی شہادت مل جاوے"۔ آخر بلائے گئے۔ قوم نے پوچھا۔
اے ابراہیمؑ! کیا تُو نے ہمارے خداؤں کا یہ حال کیا؟
بل فعلہ، جواب دے کر ٹھیر گئے تھوڑے توقف
کے بعد یہ کہا۔ کہ اِس بڑے بُت سے اِن شکستہ خداؤں کے
متعلق پوچھو اگر وہ بولے۔ تو پتہ چل جائے گا۔

"بل فعلہٗ" کے متعلق کسائی مشہور نحوی یُوں لکھتے ہیں
کہ یہاں وقف لازم ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے۔ یعنی
"فعلہٗ من فعلہٗ" جس نے کیا سو کیا۔ اس بڑے خدا سے
تو پوچھو یا انہی مصیبت زدہ الٰھہ سے دریافت کرو۔ کہ
ان کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا۔ اگر وہ پتہ بتادیں۔ تو مجرم
ماخوذ اگر وہ بتانے سے عاجز رہیں۔ تو خدائی سے معذول
ایسے عاجز خداؤں کو خدا کیوں مانتے ہو؟۔

دوسری صورت میں کلام کا مفہوم بالفاظ انکار اعتراف
واقرار کی احسن وجوہ میں سے ہے۔ جب کوئی آدمی کسی
کام کو جس کا اہل بھی ہے۔ خوش اسلوبی سے سرانجام

دے۔ اور سائل بمفہوم انکار حیرت و استعجاب سے پوچھتا ہے۔ کہ کیا تم نے یہ کام کیا۔ تو مجیب کہہ دیتا ہے۔ نہیں تم نے کیا۔ جس کا مفہوم ہے کہ اگر میں نے نہیں کیا تو کیا تم نے کیا؟ جو عین اقرار ہے کہ میں نے ہی تو کیا۔ فعل کو ایسے فاعل کی طرف منسوب کرنا جو اس کا اہل نہ ہو۔ استہزاءً اور تعریضاً ہوتا ہے اور اثبات فعل لنفسہٖ ہوتا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعتراضاً یہ کہہ دیا ہو۔ کہ ان سے پوچھو تو سہی۔ اگر یہ فعل اس بڑے نے کیا ہو۔ تو تمہارے پاس اس سے انکار کی وجوہ کیا ہیں۔ بعض نے کبیرھم کو فعلہٗ کا فاعل اس شرط پر بنایا ہے۔ کہ "ان کانوا ینطقون" ان میں اگر گویائی کی طاقت ہے۔ تب تو یہ فعل بھی انہوں نے کر لیا ہو گا۔ ان سے پوچھو۔ اور اگر بول نہیں سکتے۔ تو پھر میں نے ہی کیا ہے۔ جبکہ پہلے اعلان کر چکا ہوں۔ وہی وعدہ پورا کر کے دکھایا۔

بہرصورت کذب بیانی اور دروغ گوئی کا اس میں تعلق ہی نہیں۔ چونکہ جب تک فعل کی نفی کا اقرار نہیں کیا۔ "میں نے نہیں کیا" نہیں کہا جھوٹ کیونکر ہو سکتا

ہے ۔ حالانکہ پہلے کہا ہوا ہے کہ تمہارے بتوں کی وہ گت بناؤں گا ۔ کہ یاد رہے گا ۔

آخر ابراہیم علیہ السلام سے مسکت جواب سن کر بہت شرمندہ ہوئے ۔ سر جھکا لئے ۔ اپنی حالت پر غور کیا ۔ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے ۔ " فقالو انکم انتم الظالمون " آخر کلمہ حق اُن کی زبان سے بے اختیار نکل ہی گیا ۔ کہ ایسے بتوں کی پوجا ظلم ہی تو ہے عار سے مجبور تھے ۔ حق کی برق چمک کر رہ گئی ۔ ابراہیم سے مخاطب ہوئے " لقد علمت ما ھٰؤلا ینطقون " تمہیں معلوم ہے ان میں بولنے کی توانائی نہیں ۔ بولتے نہیں ۔ ابراہیمؑ نے فرمایا ۔ بے سمجھو ! ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو ۔ جو تمہیں نفع پہنچاتی ہے نہ نقصان ۔ تم پر اور تمہارے معبودوں پر کتنا ہی تاسف ہے ۔ اب ان کی رگ حمیت پھڑکی ۔ انتقامی آگ نے شعلہ مارا ۔ غیض و غضب میں آئے " اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو تو اپنے معبودوں کی مدد کرو ۔ ابراہیمؑ کو آگ میں جھونک دو " کے مشورے ہونے لگے ۔ حق پرست کے امتحان کا وقت

ہے۔ دل مطمئن ہے۔ باطل پرستوں نے باطل معبودوں کی حمایت کرتے ہوئے انبار ہا ایندھن جمع کیا۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ دور سے آگ کے شعلے دیکھ کر دل دہلتا تھا۔ منجنیق کے ذریعہ دور سے آگ میں پھینکنے کو تیار ہوئے۔ قادرِ مطلق نے کہا۔ میرا پرستار کسی عاجز خدا کا پوجاری نہیں۔ "ینصر اللّٰہ من ینصرہ" تم ساری کوشش کرو۔ اپنے معبودوں کو بھی بلا لو۔ مگر ذلیل و خوار ہی ہو گئے۔ ادھر ابراہیمؑ کو اعدائے بدنہاد نے آگ میں ڈالا۔ ادھر "یا نار کونی بردًا و سلامًا علیٰ ابراھیم" کا اٹل حکم آگ کو پہنچا۔ نار گلزار ہوئی۔ خلیل ظلِ ظلیل میں ہوئے۔ ان کی تمام تجاویز ملیا میٹ ہوئیں سورہ انبیاء آیت ۵۱ لغایت ۷۳۔

اس واقعہ کو سورۃ صافات میں یوں بیان فرمایا۔ جب قوم کے ساتھ تبلیغی بات چیت ہوئی۔ قوم نہ مانی۔ قوم ستارہ پرستی پر اڑی رہی۔ بلکہ ان کو بھی اس طرف مدعو کیا۔ انہوں نے ستاروں کی طرف نظر دوڑائی۔ اور فرمایا "انی سقیم" فتولوا عنہ مدبرین" وہ مشرک لوگ

جو ابراہیمؑ کو اپنے باطل مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور ابراہیمؑ کے "انی سقیم" والے لفظ کو غلط بیانی پر محمول کرنا بھی غلطی اور فحش غلطی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جب قوم ستارہ پرستی کے لئے مدعو کر رہی تھی۔ یہ اس لئے انکار کر رہے ہوں۔ کہ مجھے علم ملکوت السموت والارض عطا کیا گیا ہے۔ اسرار الٰہی سے بہرہ دیا گیا ہوں۔ براہین بین اور علم واضح کے بعد اگر میں خدائے واحد کی پرستش چھوڑ کر ستارہ پرستی کروں تو مجنون کہلاؤں۔ دیوانہ بنوں۔ عقل پھر اپکار جاؤں یہ کہیں نہیں پایا جاتا کہ قوم کوئی مذہبی تیوہار منانے باہر جارہی تھی۔ انہیں ہمراہ چلنے کو کہا۔ یہ جھوٹ بول کر نہ گئے کہ میں تو بیمار ہوں۔ اور پھر یہ تو ثبوت نہیں کہ وہ بیمار نہ تھے۔ ممکن ہے طبیعت میں علالت ہو۔

جب بتوں کو قوم سے خالی پایا۔ ان کے سامنے لذیذ طعام نفیس اور تر و تازہ مٹھایاں دیکھ کر فرمانے لگے "کھاتے کیوں نہیں۔ پیتے کیوں نہیں"۔ بولتے کیوں نہیں" آخر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب وہ تیوہار منا کر واپس آئے۔

ان کی یہ حالت دیکھی تفتیش سے معلوم ہوا۔ ابراہیمؑ نے ایسا کیا ان کو بلا کر پوچھا انہوں نے فرمایا۔ "اتعبدون ماتنحتون" کیا تم خود تراشیدہ خداؤں کی پرستش کرتے ہو۔ قوم نے پکڑ کر آگ میں جھونکنے کا فیصلہ کیا۔ آگ میں ڈالا۔ خداوند کریم جس کا حامی و مددگار ہو۔ کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ وہ صاف آگ میں سے سیر کرتے ہوئے جیسے کوئی باغ میں ٹہلتا ہے۔ نکل گئے اور یہ فرمایا۔ "انی ذاھب الی ربی سیھدین" صافات آیت ۸۳ لغایت ۹۶۔

دوسرا امتحان

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ قوم کی یہ سرد مہری اور اعراض و روگردانی دیکھ کر مایوس نہیں ہوئے۔ استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ خویش و اقارب کی طرف رخ کیا۔ باپ کو تبلیغ مقدم سمجھی۔ آداب فرزندی کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ مدارج و مراتب پدری کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عرض کی "یا ابت لم تعبد مالا یسمع ویبصر" میرے ابا! وہ معبود جو تمہاری دعائیں سنتے نہیں۔ اعمال دیکھتے نہیں۔ ان کی کیوں پوجا

کرتے ہو؟ پھر یہ کہ نہ دُنیا میں ان سے تمہیں کچھ فیض نہ عاقبت میں کار آمد۔ معبُود حقیقی سے مجھے وہ علم عطا ہُوا ہے۔ جس سے آپ کو بہرہ نہیں مِلا۔ آپ کی راہنمائی کے لیئے مشعلِ ہدایت میرے ہاتھ میں ہے۔ سیدھا راستہ دکھاتا ہوں۔ قبول فرماویں۔ اتباع شیطان سے بچیں۔ وہ مردُود و ملعون ہمارا دشمن ہمارے باپ آدمؑ کا دشمن۔ اللہ کا نافرمان۔ غلط راستے پر چلاتا ہے۔ اس کے پیچھے مت چلئے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی اتباع اور ربِ حقیقی کی نافرمانی کے باعث عذاب نازل ہو۔ حتمی قاعدہ ہے۔ سنت اللہ ہے کہ شیطان کے دوستوں اور اللہ کے منکروں پر بغتۃً عذاب نازل ہوتا ہے۔

ابراہیمؑ کے باپ تارح معروف آذر کا پارہ غیض و غضب، انتہائی درجہ تک چڑھ گیا۔ کہا "اراغب عن آلھتی" ہمارے خداؤں سے تو منہ موڑتا ہے۔ انہیں چھوڑتا ہے۔ "لئن لم تنتہ لارجمنّک" اپنی خام خیالی سے باز آجا۔ ورنہ سنگسار کردوں گا۔ میری آنکھوں سے دُور ہو جا اور یہاں سے نکل جا۔"

نیک بخت بیٹا سر جھکائے کھڑا ہے۔ تحمل اور بُردباری

دیکھو۔ سنگدل باپ کلمۂ حق نہیں سنتا۔ بے دلیل کو سے جاتا ہے
سنگ دلی اور قساوت قلبی انتقام پر اُبھار رہی ہے۔ جلاوطنی
کی سزادی جارہی ہے۔ میراث سے محروم کیا جارہا ہے گستاخی
سے نہیں۔ بے باکی سے نہیں۔ ادب سے عرض کرتا ہے۔ "سلامٌ
علیکَ" اللہ میاں آپ کو سلامت رکھیں۔ "سأستغفر لکَ" اگر
اللہ نے میری دعا قبول فرمائی۔ تو میں اُس دربار سے بھی آپ کیلئے
معافی طلب کرونگا۔ تمہارے معبودوں سے پہلے مجھے نفرت تھی۔
اب تم سے بھی ہمیشہ کے لئے الوداع ہوتا ہوں۔ رب العالمین
سے دعا مانگتا ہوں۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔ مجیب الدعوات
ہے۔ اس کی ذات پر پورا بھروسہ اور یقین ہے۔ رؤف و رحیم
خدا کی مہربانی دیکھو۔ جب ظالم باپ بیٹے کو محض اس لئے
گھر سے مار بھگاتا ہے کہ وہ بت پرستی نہیں کرتا۔ اس کا بڑا قصور
یہ ہے کہ برائیوں سے روکتا ہے۔ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے۔
شرک و کفر کے تاریک راستوں سے بچاکر اسلام کے
روشن راستے کی راہنمائی کرتا ہے۔ صنم پرستی چھڑا کر توحید
پرستی سکھانا چاہتا ہے۔ تعلیم دیتا ہے کہ پتھر کی مورتی پوجا
نہ کرو۔ واحد خدا کو مانو۔ اس جرم میں گھر سے دھکیل کر

بے دردی سے نکالا جاتا ہے۔ خدا کہتا ہے۔ میرے بندے آ۔ میرے پاس آجا۔ آجا۔ آجا۔ میں پالنہار ہوں۔ مربی ہوں معتلی ہوں۔ منعم ہوں۔ تو میرا خلیل۔ میں تیرا دوست ہیں تیرا محافظ۔ حفیظ میرا نام ہے۔ میرے نام کی اشاعت میں تجھے یہ تکلیف ہوئی۔ تیرا نام دنیا میں روشن کرنا میرا کام ہے۔ تیرے نام لیوا دنیا میں کروڑوں اربوں ہونگے۔ جو مانگے دونگا۔ جو کہے سنونگا۔ دو بیٹے اسحاق اور یعقوب عطا کروں گا۔ دونوں نبی ہونگے۔ دونوں پر میری رحمت ہوگی۔ ان کی اولاد میں نبوت ہوگی۔ سچائی ان کے ہمراہ ہوگی۔ سورۂ مریم

تیسرا امتحان

ابراہیمؑ نے بڑھاپے کی حالت میں دعا مانگی۔ عورت بانجھ ہو چکی ہے۔ اپنا شباب شیب کے حوالے کر چکے ہیں۔ آبنوسی بال برف کے گالے ہیں۔ مجیب الدعوات کو استجب لکم کا وعدہ یاد دلاتے ہیں۔ "رب ھب لی من الصالحین" زبان پر لاتے ہیں۔ پکارتے اے بارخدایا! اچھے نیک اولاد

نصیب کر۔ آواز آیا۔ کہ میرے بندے تمہیں بشارت ہو عقلمند لڑکا تمہیں نصیب ہوگا۔ دعا منظور ہوئی۔ عورت حیران ہے کہ اس بڑھاپے میں کیسے بچہ جنونگی۔ فرشتے کہتے ہیں۔ امر الٰہی میں تعجب کیسے۔ حکمت الٰہی کا منشاء و مقتضا، جو ہوگا وہ ہو کر رہیگا۔ خدا نے وعدہ پورا کیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالی۔ دوڑنے بھاگنے لگے۔ ہمجولیوں میں کھیلتے کودتے تھے۔ خدا نے چاہا کہ باپ بیٹے دونوں کا امتحان لیا جاوے۔ اس بوڑھے نے مجھ سے بیٹا مانگ کر لیا ہے دیکھیں واپس دینے کے لئے بھی تیار ہوتا ہے یا نہیں۔ لڑکا مادی دنیا کو ترجیح دے کر باپ کے پاس رہنا چاہتا ہے یا میرے پاس آنے کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک ایسا امتحان تھا۔ جس میں کامیاب ہونا ہر ایک کا کام نہیں۔ ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی اور الہام کا حکم رکھتے ہیں۔ اس لئے اس خواب کو قطعی اور اٹل حکم سمجھے۔ بیٹے کو بتا دیا۔ کہ میں نے خواب میں یہ کچھ دیکھا۔ "فانظر ماذا ترٰی" تیری کیا مرضی ہے۔ باپ خلیل اللہ

تھا۔ تو بیٹا ذبیح اللہ کیوں نہ بنتا۔ امتحان میں اس کا پاؤں کب لغزش کھا سکتا تھا۔ خوشی سے حکم قبول کیا۔ پکارا۔ اے باپ۔ یہ جان اُسی خدا کی دی ہوئی ہے۔ اگر ہزار بار بھی قربان کی جاوے تو حق ادا نہ ہوئے

جان جاں دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

سوچ بچار۔ فکر و انتظار کا وقت نہیں " یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین" تعمیل حکم میں کسی درنگ و تاخیر۔ حیلہ و تدبیر کو آنے نہ دیجئے۔ جلدی کیجئے۔ آپ دیکھیں گے۔ کہ میں کیسا صابر ہوں۔

باپ بیٹے دونوں نے خداوند کریم کے حکم کے سامنے گردن جھکالی۔ ابراہیم نے چھری کو تیز کر لیا۔ کہ اس سے اُس چاہتے بیٹے کا کام تمام کرے۔ جس کو بڑھاپے میں دعائیں مانگ مانگ کر لیا تھا۔ اسمٰعیلؑ کو اوندھا ڈال دیا۔ گردن پر چھری رکھ دی۔ قدرت نے ہاتھ پکڑ لیا۔ " یا ابراہیم صدقت الرؤیا۔" ابراہیم بس بس تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ باپ بیٹا دونوں امتحان میں پاس ہوئے۔

یہ ایک آزمائش تھی۔ جس میں تم پورے اُترے۔ ہم تجھے اِس بڑی قربانی کا فدیہ دیتے ہیں۔ بعد آنے والی نسلیں تیری اس قربانی کی یاد کا دِن منائیں گی۔ اور ہر سال میں ایک دو دِن قربانی کریں گی۔ یہ تمہارے لئے عمدہ جزا ہے۔ صافات آیت ۱۰۰تا ۱۱۱

علم اور حکمت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت میں فلاسفی کوٹ کوٹ کر بھری تھی بے دلیل نہ کوئی بات سننے کے لئے تیار تھے۔ اور نہ ہی براہین و دلائل کے سِوا کوئی امر پیش کرتے تھے۔ مناظروں اور مباحثوں میں خصم کو دلائل سے ایسا مُسکِت جواب دیتے کہ وہ لاجواب ہو جاتے۔ ان کی حاضر جوابی معجزانہ تھی۔

ایک دفعہ کسی منکر الوہیت نے جب خداوند کریم کے متعلق سوال کیا۔ کیف وکم سے پوچھا۔ ابراہیمؑ نے جواب دیا" ربی الذی یحیٖ ویمیت "میرا خدا زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ احیاء و اماتت صرف اُسی کا خاصہ ہے۔ منکر نے احیا و اماتت کے مفہوم کو تبدیل کر کے جواب میں کہا۔" انا احی و امیت" مارنا اور زندہ رکھنا کونسی مشکل بات ہے۔ میں بادشاہ ہوں۔ جب چاہوں۔ جس کو

چاہوں قتل کر ڈالوں۔ واجب القتل کو رہائی دے دوں۔ ابراہیمؑ اس کی شیطنت کو تاڑ گئے۔ دوسری دلیل پیش کر دی۔ جس کا جواب نہ تھا۔ فرمایا "فان اللہ یأتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب" میرا خدا مشرق سے سورج کو طلوع کرتا اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ تو اس چکر کو تبدیل کر دے۔ ذرا ایک دن کے لیئے اس دوران کو تبدیل تو کر دے۔ سورج مغرب سے طلوع کر کے مشرق میں غروب ہو "فبھت الذی کفر" منکر دنگ رہ گیا۔ حیران و پریشان ہُوا۔ جواب نہ بن آیا۔ مبہوت ہو کر رہ گیا۔

جیسا کہ ہر امر میں دلیل پیش کرتے ہے حجّت ماننے میں بھی شامل ہوتے باوجود پختہ ایمان اور صداقت قلبی کے خداوند کریم نے بھی جب فرمایا۔ کہ میں مُردے زندہ کرتا ہوں۔ تو پوچھنے لگے۔ یا اللہ العالمین تو سچا خدا ہے۔ سچ کہتا ہے۔ تو قدیر ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ مجھے یہ تو سمجھا کہ کیف تحی الموتیٰ "کس طرح مُردے۔ زندہ کرتا ہے۔ اللہ میاں نے فرمایا۔ "اولم تؤمن" کیا تو مانتا نہیں۔ ایمان سے انکار کیونکر ہو سکتا تھا۔ عرض کی میں مانتا ہوں۔ جو کچھ تو فرماتا ہے سچ ہے۔ صحیح ہے۔ کہ تو

مردے زندہ کرتا ہے۔ لیکن اطمینان قلب مشاہدہ اور دلیل چاہتا ہے۔ اور یہ تیرے لئے کوئی مشکل امر نہیں کہ مشاہدہ سے میرا اطمینان قلب فرما دیوے۔ وہاں کیا دیر تھی جھٹ حکم ہوا۔ چار پرندے پکڑو۔ ان کو اپنے ساتھ ملاؤ۔ علیحدہ علیحدہ کردو۔ ان کو پکارو۔ دوڑتے آئیں گے۔ "ان اللہ عزیز حکیم"۔ اللہ صاحب قدرت ہے۔ صاحب حکمت ہے۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مختلف امتحانوں میں کامیاب ہوئے تو اللہ کریم نے کامیابی کی وہ سند عطا کی جس کے وہی مستحق تھے۔ حکم ہوا تجھے تمام قوموں کا امام بنا دیا گیا ہے۔ عرض کی۔ میری اولاد بھی اس انعام سے محروم نہ ہو۔ اللہ نے فرمایا۔ ہاں تیری اولاد کے نیک بندے بھی اس انعام سے محروم نہ ہوں گے۔ مگر یہ امانت ہے۔ اور ظالم اور خائن اس سے بہرہ ور نہیں ہوں گے۔

یہ انعام پا کر عبادت الٰہی کیلئے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ باپ بیٹے دونوں نے اس کی تکمیل کی۔ جب اپنے ہاتھوں سے مکمل کر چکے۔ تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ خدایا! اس شہر کو جائے امن بنا۔ اس شہر کے باشندوں کو "ایمان والوں" کو

طرح طرح کے پھلوں سے مالا مال کر دے۔ آسودہ حال ہوں خوشحال ہوں۔ ہماری یہ دُعا قبول کر۔ ہمارا یہ عمل قبول فرما تو سمیع و علیم ہے۔

اے بار خدایا! تو ہمیں بھی ہماری اولاد کو بھی اپنے فرمانبردار بندوں سے بنا۔ ہمیں مناسک حج سکھا۔ ہماری طرف رجوع فرما۔ ہمارے بعد بھی ان میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما۔ جو ان ہی میں کا ایک فرد ہو۔ انہیں تیرے احکام پہنچائے۔ حکمت سکھلائے۔ کتاب پڑھائے۔ ان کے نفوس کا تزکیہ کرے۔ اس کے ماننے والے تیرے برگزیدہ بندے ہوں۔

حضرت رسول مقبول محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُس دعا کا مظہر ہیں۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے ہیں۔

اللہ کی مومنوں پر خاص رحمت ہوئی

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ؏

خلاصہ باب

(۱) ابراہیمؑ اُمت اسلامیہ کے بحکم نص علمی باپ ہیں۔" ملة ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین من قبل و فی ھذا لیکون الرسول شھیداً علیکم وتکونوا شھداء علی الناس"۔ ۱۲ یہ دین تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے جس نے تمہیں پہلے مسلمان قرار دیا۔ اور اب بھی مسلمان کہلائے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اعمال کے شاہد ہونگے۔ اور تم دوسرے لوگوں کے شاہد۔

(۲) ابوّت و نبوّت علمی ابوّت و نبوّت نسبی سے اہم و اکمل ہوتی ہے۔

(۳) ابراہیمؑ کے دو بیٹے اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ ہوئے۔ اسحٰقؑ ابوالیہود کہلائے اور اسمٰعیل ذبیح اللہ ابوالعرب ہوئے۔ اسحٰقؑ کی اولاد سے یعقوبؑ۔ یوسفؑ اور دیگر انبیاء کرام ہوئے۔ عیسٰی علیہ السلام بھی اُن ہی کی نسب سے ہیں۔ چونکہ اُن کی ماں مریمؑ اُن کی اولاد سے تھیں۔ اور اسمٰعیل جو ابوالعرب تھے۔ اُن کی اولاد جزیرۃ العرب۔ حجاز۔ یمن۔

تہامہ. شام. عراق. مصر شمالی افریقہ. طرابلس. تونس الجزائر. مراکش وغیرہ علاقوں میں آباد ہے. اور وہی نور نبوت جو رسول مقبول نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا.

(۴) ابراہیمی ملت کی اتباع عین اسلام ہے. "فاتبع ملۃ ابراھیم حنیفاً" اس کا شاہد اور "من یرغب عن ملۃ ابراہیم الا من سفہ نفسہ" ترجمہ. ابراہیمی ملت سے روگردانی سفلہ پن اور سفاہت نفس ہے. مؤید ہے.

(۵) ابراہیمؑ اور اُن کے بیٹے اسمٰعیلؑ نے اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی. بیت اللہ بنایا. قبلۃ المسلمین کو مخلصاً لوجہ اللہ قائم کیا. اور اس کا انجام "ذریتہ کا اسلام" اور ان میں بعثت خیر الانام خدا سے طلب کی. کما قال "ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم. ربنا وجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك و ارنا مناسكنا وتب علينا انك انت التواب الرحيم ربنا وابعث فيهم رسولاً منهم يتلوا عليهم اياتك ويعلمهم الكتب والحكمة ويزكيهم

انك انت العزیز الحکیم" ترجمہ۔ خدایا ہمارے اس عمل کو قبول فرما۔ ہمیں اور ہماری اولاد کو اپنا فرمانبردار اور پکا مسلمان بنا۔ ہمیں توانین بیت اللہ سکھا۔ میری اولاد میں ان ہی میں سے ایک ایسا رسول بھیج جو انہیں تیری کتاب پڑھاوے۔ اصول حکمت سکھاوے۔ ان کے ظاہر و باطن کو تمام آلائشوں سے پاک وصاف کر دیوے۔ تو سمیع ہے علیم ہے۔ رحیم ہے غالب ہے حکمت والا اور سب خوبیوں کا مالک ہے۔

(۲) بہت سے امتحانوں اور قربانیوں کے بعد دربار ایزدی سے جب خلعت نبوت و امامت پہنایا گیا۔ اس وقت بھی ہمارے علمی باپ نے ہمیں نہیں بھلایا" قال ومن ذریتی" خدایا میری اولاد کو بھی اپنے انعاموں سے محروم نہ فرمائیو۔ جواب ملا۔ کہ تیری اولاد ہمیشہ سرسبز آباداں و شاداں اور باقی قوموں کی سردار رہے گی۔ "الا من ظلم نفسہ" سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے آپ کو خود گرا دیا۔ خود داری کو چھوڑا۔ تیری اتباع سے منہ موڑا۔ قربانیوں سے سبق حاصل نہ کیا۔ تیرے علم سے بہرہ یاب نہ ہوئے۔ وہ میرے اس

وعدہ سے مستثنےٰ رہیں گے۔ کیونکہ میری دائمی سنت ہے۔ "لاینال عہدی الظالمین"۔

نتیجہ

مسلمانو! اپنے باپ ابراہیمؑ کی قربانیاں۔ ایثار۔ مصائب و شدائد پہ استقلال و صبر قرآن کریم میں ذرّہ ذرّہ پڑھ چکے۔ آگ میں جلنے کی پرواہ نہیں۔ بیٹا ذبح کرنا کانٹا چبھنے کا خطرہ بھی دل میں نہیں لاتا حق کی خاطر اپنے پیارے وطن کو چھوڑنے سے نہیں جھجکتے۔ کبھی یہ بھی سوچا۔ کہ خداوند کریم نے یہ واقعات قرآن میں کیوں بیان کئے۔ کیا وہ مقدس کتاب جو ہر قسم کے حشو و زوائد سے پاک ہے۔ ان قصوں سے اس کا حجم بڑھانا مقصود ہے۔ یا اس سبق آموز تاریخی واقعہ کا اعادہ بے سود ہے۔ نہیں نہیں۔ نہ قرآن میں یہ تکرار بے سود ہے اور نہ اضافہ اوراق مقصود ہے۔ بلکہ الفاظ کیا۔ ایک ایک حرف اور اس کے حرکات و سکنات میں ہزاروں معنی پوشیدہ ہیں۔ چشم بینا چاہیئے۔

مسلمانوں کا خدا انہیں علی الاعلان کہتا ہے۔ "انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" ترجمہ۔ اگر پکے مسلمان بن جاؤ۔ تو اقوام دنیا سے

برتر اور اعلیٰ ہو. کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف
وتنہون عن المنکر" "تمام دنیا کے لوگوں سے تمہیں بہتر بنا کر
بھیجا گیا ہے. تاکہ لوگوں کو راہ راست پر لاؤ. بھولے بھٹکے کو راستہ
بتاؤ. غلط کاریوں سے بچاؤ. کذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا
شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا" ترجمہ. تم
عادل جماعت ہو. عدل کی شہادت قبول ہوتی ہے. اسلئے تم لوگوں کے اعمال
کے نگران حال اور ان پر شاہد ہو. اور خدا کا رسول تم پر شاہد ہوگا.

سفیران اسلام صحابہ کرام کے زمانہ میں جب غیر اقوام کے پاس
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے جاتے. تو ان کا ابتداء
اس کلام سے ہوتا ہے "لقد بعثنا لنخرج الناس من جور الادیان
الی عدل الاسلام ولا یتخذ بعض الناس بعضا اربابا من
دون اللہ" ترجمہ. ہم دنیا میں اسلئے آئے. کہ لوگوں کو خود ساختہ دینی مظالم
سے بچا کر عدل اسلام کے سایہ میں لائیں. اور لوگوں میں وہ مساوات پیدا کر دیں
کہ انسان انسانوں کی پرستش چھوڑ کر رب الارباب کے سامنے سر جھکائیں.

ابراہیمؑ نے ہمارے لئے برکت. عروج و ترقی. عزت. علم اور حکمت
کی دعا مانگی. ان کے پوتے یعقوبؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت کی
لا تموتن الا وانتم مسلمون" تمہاری موت اسلام پر ہو.

خداوند کریم نے یہ تمام ذکر ترغیب علم و حکمت اخلاق ظاہر و باطن کیلئے کیا۔ چونکہ علم و حکمت ان کا زیور تھا۔ جیسا کہ ابراہیمؑ نے آداب ظاہرہ مونچھیں کٹانا کلی کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا مسواک کرنا۔ ناخن کٹانا۔ بغلوں کے بال لینا۔ موئے زہار اڑانا۔ ختنہ۔ استنجا وغیرہ کی تعلیم دی۔ ایسے ہی اخلاق باطنی اور تزکیہ نفس کا بھی بیش قیمت سبق پڑھایا۔ جیسا کہ آیات قرآنی سے مفہوم ہوتا ہے۔ توبہ حمد الٰہی۔ عبادت۔ رکوع۔ سجود۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر۔ حدود اللہ کی نگرانی۔ صدق۔ صبر۔ خشوع۔ صیام۔ حفاظت فروج۔ انہماک فی ذکر اللہ۔ لغویات سے احتراز و اعراض۔ رد امانت۔ ادائے زکوٰۃ اموال۔ رعایت عہود وغیرہ جتنے اخلاقی فضائل تھے۔ سب پر عمل پیرا ہونیکی تاکید کی۔ اور رذائل و ذمائم سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ ایسے ہی مناسک حج بھی سکھائے۔ اور افلاک پر نظر غائر ڈالی شمس و قمر کا مطالعہ کر کے علم نجوم و فلکیات کی ترغیب دلائی۔ ذبح ولد سے صبر و ایثار کا سبق پڑھایا۔ ہجرت وطن کر کے تلاش حق میں صبر آزما ہونا بتایا۔ "کیف تحی الموتیٰ" کا سوال کر کے علوم طبیعیہ کی توجہ دلائی۔ عوالم علویہ و سفلیہ گیتی و بینو میں سے کوئی چیز ایسی نہ رہی۔ جس کے حصول علم میں ہمارے باپ ابراہیمؑ نے کوشش نہ کی ہو۔ ان کے اخلاق ظاہری و باطنی کا ذکر قرآن میں اسلئے نہیں آیا۔ کہ ہم ان آیات کو صرف تعویذ کے طور پر استعمال کریں۔ یا اسی پر مغرور رہیں کہ جو ان آیات کو

پڑھیگا بخشا جائیگا. نہیں نہیں۔ یہ آیات بینات عمل کیلئے ہیں مسلمانوں کو سبق سکھانے کیلئے ہیں۔ وہ مسلمان جو ابراہیمؑ کی علمی اولاد بھی ہیں اور اکثر سے زائد نسبی اولاد بھی. کیا وہ صرف بے زبان جانوروں کے گلے پر چھری پھیر کر اتباع کے واجب الاطاعت حکم سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ یا ختنہ کی رسم کو رسماً ادا کر کے ابراہیمی ملت میں شامل ہو جاتے ہیں. باپ کے علم سے کیا سیکھا۔ ان کے اخلاق سے کیا پایا. حکمت آموزی کے مدارس کہاں ہیں. جہاز سازی کے کارخانے اور رصدگاہیں کہاں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں. تو کیا "لا ینال عھدی الظالمین" کے ماتحت ہم تمام انعام و اکرام سے محروم نہ ہونگے۔

ظلم صرف جور و ستم کا مترادف نہیں. بڑا ظلم جہالت ہے. مسلمان جب نظام ارض و سماوی میں غور نہیں کرتے۔ فضائل نفیسہ کو پس پشت ڈالے ہوئے ہیں۔ ابراہیمی امامت و ریاست ابراہیمی علم سیکھنے سے مل سکتی ہے۔ ہمیں اپنے آپکو ملامت کرنی چاہئے۔ کہ باپ کا علم حاصل نہیں کیا۔ اسکے جانشین کیونکر ہوں۔

"چوں میراث پدر خواہی علم پدر بیاموز"

خدایا مسلمانوں کو توفیق دے۔ فتدبرون القرآن. قرآن کو تدبر و تفکر سے پڑھیں. اس پر عمل کریں. اپنے اسلاف کی خلافت کے قابل ہوں آمین ثم آمین۔

خدایا ہمیں باپ ابراہیمؑ کی قربانیاں نصیب کر۔ قرآن کا عمل

نصیب کر۔ اسوۂ خیر الانام خاتم النبیین نصیب کر۔ اسلام کا خلوص ہو۔ اصحابہ کا عمل ہو۔ تا دنیا کی قوموں میں ذلیل نہ ہوں۔

آمین ثم آمین۔

تمت

انصاف پریس ریلوے روڈ لاہور میں چھپا۔

چار پیام

مؤلفہ سلطان احمد خان

عالم فاضل السنۂ شرقیہ

پبلشرز احسن برادرز بک سیلرز سرگودھا

(انصاف پریس ریلوے روڈ لاہور میں چھپا)